ہدیۂ ہند

یا

بھارت کی بھینٹ

موجودہ حالت پر

پولیٹیکل اخلاقی اور تواریخی

نظموں کا شاندار مجموعہ

از

پنڈت چرنجیت رائے ایم اے صادق

نومبر ۱۹۲۲ء

پرکاشک

راجپال منیجر سرسوتی آشرم - انارکلی لاہور

ہدیۂ ہند
یا
از
A. Rahim.

بھارت کی بھینٹ

پیش کر سکتے نہیں دولت کی بھینٹ
کاش لا سکتے کوئی خدمت کی بھینٹ

حسبِ توفیق اہلِ دل کرتے ہیں نذر
کوئی طاقت کی، کوئی شہرت کی بھینٹ

اہلِ شہرت ہیں نہ اہلِ جود ہم
لائیں ہم کس وصف کس سیرت کی بھینٹ

بھینٹ ہے طرفہ جسے کرتے ہیں نذر
تیری شوکت کی تری عظمت کی بھینٹ

ہاں وہی تقویم پارینہ تری۔
ہو چکی جو گردشِ قسمت کی بھینٹ

ڈھونڈتے ماضی میں استقبال ہیں
حال تو ہے دیدۂ عبرت کی بھینٹ

فکرِ فردا ہے زبانِ یادِ دوش
تلخ تر ہے پر ہے کیا لذت کی بھینٹ

قسمتِ صادق میں تھا رنگِ سخن
کر دیا قائم نے رقت کی بھینٹ

رنگ کیا خونِ جگر ہے شعر
ہے وہی خونِ جگر بابا کی بھینٹ

لائق شان ہو تو اپنا لیجیو
ورنہ کر دیجو اسے قسمت کی بھینٹ

عرضِ حال

شاعر کا دل آئینہ ہوتا ہے۔ جو کوائف عالمِ موجودات میں گزرتے ہیں اُن کی تصویریں محسوسات کی صورت میں اس کے شیشۂ دل میں اُترتی آتی ہیں۔ قلم ہاتھ میں ہوا اور طبیعت کی پیالیوں میں رنگ موجود ہوا۔ تو کوئی فوٹو شیشے سے کاغذ پر اُتر آیا۔ ورنہ شفاف جھیل کی سطح پر سے بدلی آئی گزر گئی۔ چاندنی آئی گزر دو گھڑی جھلک دکھا گئی۔ تصور نے پھر نقشہ حاضر کیا تو عالمِ مشاہدہ سے زیادہ صفائی صفحۂ خیال کے نقش میں پا گئی۔

شاعر ملک میں ہوتی ہوئی تحریکوں سے بے خبر نہیں ہوتا۔ عام لوگ عام آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک خاص آنکھ چشمِ باطن بھی رکھتا ہے۔ انسانی مساعی کے علاوہ ملکوتی طاقتوں کی مداخلت اور حاجت بھی اس کے حیطۂ بصارت میں آتی ہیں۔

جب سے صادق اور صادق کی شاعری نے ہوش سنبھالا ہے۔ گویا ایک مشاہدہ خانہ میں جگہ پائی ہے۔ ہندوستان کی کئی سالوں کی تاریخ صادق کی نظموں میں بند ہے۔ اور جو کیفیتیں دل کی دل میں رہی ہیں۔ وہ تو وہ صحیفے ہیں۔ جو طاقوں پہ پڑے پڑے دیکھنے والوں کی نظر نہ تھیں نہیں لگی اور نہ لگنے کا کوئی امکان ہی ہے۔

یہ مخفی نگار خانہ اب تک دستی بیاضوں میں بند تھا۔ کوئی نہ کوئی نظم

اخباروں میں اندراج باقی رہی۔ مگر عام خاصہ صادق کی طبیعت کا خود حفاظتی
ہے۔ منشاء عام نہیں۔ کسی کسی قریبی ہمراز کو اس قدیمی راگ کی محفل میں شریک
کر لیا۔ ورنہ ممنوعہ مجلس کی طرح بالعموم یہ بزمِ نشاط تخلیے میں ہوا کی۔

آج دوست صلاح دیتے ہیں۔ کہ سول نافرمانی کے دوران میں
تخلیے کا قانون توڑ دو۔ اور سچ سچ جو کچھ سوچا اور کہا ہے۔ اُس کی عام تشہیر
نمائش کر دو۔

ڈر ہوتا ہے کہ کوئی بات بگڑی ہے۔ کوئی کچی۔ تدبیرِ ملکی اور اُس کے ساتھ
فنِ شاعری میں مہارت نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ کس برتے پر افشاء کی
دلیری کریں۔ مگر گاندھی کی تحریک میں راز کی گنجائش نہیں۔ یہی نہ نقص
پکڑیں گے۔ تنقید کی قید عائد کریں گے۔ گرفتِ عیوب کی ہتھکڑیاں لگائیں گے۔
ملامت کے احکام سے زبان بندی کریں گے۔ شاعری کے ملک سے باہر کر
دیں گے۔ یہ سب کچھ منظور۔ ملک والے خوشی خوشی سزائیں جھیل رہے
ہیں۔ صادق بھی سہ لے گا۔ لیکن یہ قبول نہیں کر سکتا۔ کہ اُسے آزادانہ
خیال یا آزادانہ تقریر کرنے کا حق نہیں۔ یا وہ اپنی آزادانہ شاعری کی محفل
نہیں جما سکتا۔ کوئی شورش پیدا ہو گئی۔ جو سنبھالے نہ سنبھلی۔ تو پشیمانی
بھی ہو سکتی ہے۔ معذرت بھی کر سکتے ہیں۔ ملامت کا تازیانہ بھی جھیل سکتے ہیں۔
فی الحال اتنی پیش بینی کیوں؟ مارشل لا ہے۔ تو ہو۔ ایکٹ امتناعِ مجالس
معتوبانہ ہے تو ہو۔ شاعر اپنی ولایت میں رہتے ہیں۔ نہ اُن پر بیوروکریسی
کا حکم چل سکتا ہے نہ آٹوکریسی کا۔ اُن کی اپنی شعروکریسی ہے۔

تو حضرات ناظرین! اس یک آہنگی کی مجلس میں آپ کو سب سریں ملینگی
امرتسر کی کانگریس نے اصلاحات کو اپنا لیا۔ شاعر نے بھی انہیں قبولیت کی

کرسی دی۔ کرسدیا سے

اچھا چولا ملا جو موت آئی   ماتھی گرنے کی مسیحائی

"خاک ششیاں" اسی وقت لکھی تھی۔ اُسے انہیں آنکھوں سے پڑھو
پھر جیسے جیسے ملک اور قوم نے رنگ بدلے ہیں۔ ویسے ویسے مختلف شکلیں
شاعر کے قلب پہ چھپتے گئے ہیں۔ قلم نے ان میں اپنی طرف سے تصرف نہیں
کیا۔ مختلف راگوں میں ایک لطیف سُر ہے۔ جو انہیں ایک لے میں لاتا ہے
وہ لے ہے بھارت کی بھگتی کی۔ مادرِ ہند کی محبت کی ۔
"جوار بھاٹا" کسی وقت پڑھا جا سکتا ہے۔ وہ آکال گیت ہے۔
اُس پہ زمانے کی قید نہیں ۔

یہ تو خیالات کا حال۔ یہی کیفیت مقالات کی ہے۔ کہیں شاعر کی لہر
ہے۔ اس کی غیر مشاقی اسے چھپا کر دیتی ہے۔ ادب کی ناواقفیت اجنبی
بے ادبیاں کراتی ہے۔ تاریخی سقم مورخوں کو اور علم دین کی غلطیاں محققوں کو
کو کھٹکینگی۔ کبھی رستوں میں ابھی اور رنگوں اور رنگ والوں کی تجانس ہے۔ اگر
اس مخلوق کو تناسخ نصیب ہوتا۔ تو پچھلے جنم کے سارے عیب دور ہو جاتے
مگر ابھی انہیں اسی چولے میں جینا ہے۔ اچھے بُرے دن کٹ جائینگے۔ کئی
خاکے ایسے بھی ہیں جنہیں اہلِ دل پسند کرینگے۔ قبولیت کی نظروں میں لینگے
اور پیار کے ہاتھوں اٹھا لینگے۔ اُن کے طفیل اُنکے ساتھی بھی نبھ جائیں تو غنیمت
دیانند آنند اگر مذہبی عقیدت کا ہدیہ تھا۔ یہ ملکی محبت کا تحفہ ہے
ایک بھینٹ اور ہے۔ وہ صادق اور صادق کی قدرت کے چٹکلے " دیرینہ
قدرتی رنگ میں روحانیت کی تجلیاں ہیں۔ وہ پھر کبھی موقع ہوئے پہ۔

۱۹ فروری ۱۹۲۲ء
صادق

کیا سناؤں تجھ کو ہمدم شری کرشن[1] کی بات — پھر صد حیراں ہوا اک بال کا طفلِ نحیف
صبح دم کوہِ ہمالہ پر جو جوگی دیکھتا — سینکڑوں طوطا ایک چوٹی میں سے آتے نظر
تھا صحیفہ سرستی کا آسماں تاروں بھرا — دیدہ پاک انوارِ تاباں مہر کے آفاق پر
وادیٔ ایمن سے کم کیا وہ جو ہے کشمیر تھی — شعلۂ برگِ چنار اس کا تھا ظلمت سوز تر
آبِ صافی رودِ گنگا کا مٹا دیتا تھا پاپ — تھے فرشتے اس پہ گرتے حوضِ کوثر چھوڑ کر

یہ نظارے جن کے رہتے زندگی بھر سامنے
اور کیا لیتے یہ تھا قدرت کا رہبر سامنے

کیا سبب تھا لوحِ دانائی کے نقاش وہ کبھی — نقشِ ثانی ان کی نقاشی نگارِ دہر کی
ان کی سنجاری کی پسماندہ الوا کی ہے غار — اس کا جھوٹا ہیں اجنتا کی تراشیں ساری
گرچہ تھا فوٹو گرافی کا نہ ساماں ان کے پاس — دستِ قدرت کی صفائی کھینچ سکتے تھے بھی
مطربِ قدرت کی شاگردی میں جب آیا بھرت — بربطِ عالم کی تانیں ایک اک گانے میں تھیں دل کی
شعر کی صورت تھی موزوں ہر مثال کی باتیں — باتوں باتوں میں بھگیا بال ہو جاتی غزل سی
موجزن ہر لمحہ دل میں قدرتی جذبات تھے — اور زباں پہ سرستی دیوی مترنم تھی کھڑی

گو کہ یورپ میں پہنچا دالمیکی[2] کا کلام
ہومر[3] اور چاسر[4] ہوئے پڑھ پڑھ کے اس کو شاد کام

معرکوں میں چھتریوں کے شورِ محشر تھا بپا — موت کے سوتے جگا دیتی تھی شنکھوں کی صدا
کانپ کر خورشید چھپ جاتا تھا تارِ تیغ کو — دل ہلا دیتی صدائے گرز مارِ تیغ کا
مارنے دشمن کو یا پھینک بچاتے وہ نہیں — دور تھا غیرت سے بھاگیں چھوڑ میدانِ وغا
کینہ ور ہوتے کہ تھی اک کھیل موت ان کے لئے — بچہ بچہ تیر اور شمشیر سے تھا کھیلتا۔

---

۱ شری کرشن ۲ رامائن کے مصنف۔ ۳ لاطینی میں رامائن کی طرز کی کتاب لکھی ہے۔ ۴ انگریزی زبان کا پہلا معلوم شاعر ہے *

جس کا رتھبان تھا تو آج تلک زندہ ہے　　اس پہ پرتو ہے پڑی الفتِ عزت تیری
پڑھ کے اوراق میں گیتا کے ترا سندیسہ　　بانٹتے سارے پیمبر ہیں کرامت تیری
آج تک تیری ضیا سے ہیں وہ عالم روشن　　سر بسر مہبطِ انوار تھی جلوت تیری
فلسفی کی ہے لگی آنکھ معانی پہ ترے　　ہے طبیعی پہ سدا چشمِ عنایت تیری

پر کہاں ہے وہ تری راگنی کا متوالا۔
تیرا پیغامِ اماں جنگ میں سننے والا

وہ کروکھیت سے آواز بڑی اٹھتی ہے　　بانسری کی وہ تری تان ابھی اٹھتی ہے
ہائے ارجن! تو ادھر آنکھ اٹھا آہی نہیں　　تیری تعظیم کو ہاں شان کبھی اٹھتی ہے
زیر و بم سے ہے تری گرد زمیں مستانہ　　بیٹھتی ہے یہ کبھی اور کبھی اٹھتی ہے
یاد آجاتی شجاعت ہے کرن کی مجھ کو　　جوش سے جب یہ زمیں لے کے کھڑی اٹھتی ہے
کیوں نہ ہو؟ خون شجاعت نے ہے سینچا اس کو　　خاک ہے اہلِ شجاعت کی جبیں اٹھتی ہے
رتھ پہ ارجن ہی نہیں راگ سمجھنے والا۔　　بانسری سے تو سدا تان نئی اٹھتی ہے
بانسری کی جو تری کان میں آ پڑتی ہے جھنکار　　آتشِ شوق مرے سینے میں جگا اٹھتی ہے

— بقیہ صفحہ ۱۱ — پہ لیٹا ہو کر سشری نے اس کو قتل کیا ؛

بقیہ صفحہ ۱۱ عے۵ شری کرشن کا ہم سبق تھا۔ ان کی محبت اور اس کے عالم شاہی کے نباہ کی مشہور کہانی ہے ؛

عے۱ خاندان کے ایک شاندار خاندان ہوا ہے۔ اس خاندان کے بادشاہوں کی شان سے اونچی تھی سر ؛

عے۳ سری کرشن اور ارجن کے جنگ میں زخمی۔ چلنے سے لاچار میدان میں پڑے کرن کے پاس بھکاری کے بھیس میں جانے۔ اور اس کا اپنے دانتوں سے سونے کی تار نکال دینے کے لئے ایک پتھر کی طرف لڑھکنا مشہور واقعہ ہے۔

دِل کی بیداری کو ارگن ہے پپیہے کی صدا
قافلہ ہے کہ سمجھتا نہیں گلبانگِ درا

لوگ سرمستِ تغافل میں چلے جاتے ہیں
سر بسر محوِ تجاہل میں چلے جاتے ہیں

راگنی تیری کنہیا! انہیں سنتا کوئی ؟
مستِ میخانۂ قلقل میں چلے جاتے ہیں

دالِ سخاوت کی گھٹا سے ہے ٹپکنا اکثر
ہاں خمارِ نشۂ مُل میں چلے جاتے ہیں

عالمِ بے بسی و بیکسی طاری ہے یہاں
اور جو پوچھو تو توکل میں چلے جاتے ہیں

دولت و عظمت و حشمت لگی اغیار کے ہاتھ
ہم تہیدستِ تساہل میں چلے جاتے ہیں

اس قدر خوار ہیں کونین میں پھر بھی تیرے
دیکھ کس قعرِ تنزل میں چلے جاتے ہیں

لے اُٹھا ہم کو گوردھن[1] کے اُٹھانے والے!
لاج شاما[2] کی سرِ بزم بچانے والے!

۱؎ گوردھن پہاڑ کا اُٹھانا پرانک واقعہ ہے ۔ یہاں اس کی طرف شاعرانہ تکلف سے اشارہ کیا ہے ؛

۲؎ دروپدی ؛

مرثیہ گوکھلے

لو بیدرد رہزنِ خزاں آکے لوٹ لی بہارِ قوم -
ہے بے زری ع۱ سے داغ دل قلبِ لالہ زارِ قوم

تھا کان بھی - زبان بھی الم کی داستان بھی
کہیگا کون ؟ اب سنیگا کون ؟ حالِ زار قوم

سپوت ایک تھا کہ جسپہ سارے گھر کو ناز تھا
قضا سے اس سپوت کی اُجڑ گیا ستارِ قوم

تھا دیوتاؤں کا حسینا فانیانِ ہند میں
بسا جب اس سے دیولوک اُجڑ گئی دیارِ قوم

ہمارے کاروان میں بھی تو ایک شہسوار تھا
وہ کیا ہوا کہ اُڑ رہا ہے بے طرح غبارِ قوم

نگین شاہ کا تھا زیب لعل گود ہند کا
وہ گوہر نگین قوم و لعل آبدارِ قوم

وہ ہندو اور مسلموں میں رہبر اتفاق کا
تھا رشتۂ موافقت میں عقد استوارِ قوم

ع۱ زرسونے کو بھی کہتے ہیں - اور پھولوں میں جو باریک ریزے ہوتے ہیں جو پھول کے بڑھنے پھولنے کا راز بتاتے جاتے ہیں وہ بھی زرگل کہلاتے ہیں

ہیں موت کی علامتیں حیات کے نشاں نہیں
وہ لعل ہیں کہ جو صدف کے بھاؤ بھی نہ پا سکے
ہیں جنس جس کا مول خاکِ رفتۂ دکاں نہیں
اذانِ شنکھ کو کریں خموش خوابِ مرگ سے
وہ خفتہ بخت ہیں کہ جن کی شب سحر کراں نہیں

مسیح گو بھلے تھا اس مریضِ مرگِ قوم کا۔
نفس ہے اس کا کون سا جو قم کا ترجماں نہیں
وطن کی خاک کو سمجھتا توتیائے چشم تھا
کھٹکتا مدعی کی آنکھ میں لگا رہا وہ توتیا
ابھی تو کوئی چشم آشنائے توتیا نہ تھی
ابھی کسی کی آنکھ میں خلوص کی ضیا نہ تھی
وہ مہر بھی کہ جن کو روشنی پہ اپنی ناز تھا
ریا کے داغ سے شعاع اُن کی دل کشا نہ تھی۔

پڑے تھے خفتہ بخت محوِ خواب کنجِ گور میں
تھی کان میں صدا جرس کی صور کی ندا نہ تھی
وطن کو چھوڑ کر بسایا گھر بہشت میں تو کیا
ریاضِ خلد کی ریاضِ ہند سی فضا نہ تھی
قصورِ حور سے تو خوب تر تھا قصرِ قومیت
ابھی پر اس کی ہند میں رکھی گئی بنا نہ تھی
یہ مانا ناخدا سے ہے خدا کا خوب آسرا۔
بھنور میں ناؤ ڈوبے نیاز مہرِ ناخدا نہ تھی۔

مری رنگت اڑائی گل نے، بلبل نے خوش الحانی — مسی ہونٹوں سے مرے اڑ کے پہنچی ہے رد سوسن میں
کہاں ہیں مری نگہیں سحر کی پتیاں گل کی۔ — ہے میری دوپہر کی آب دوپہری کے جوبن میں
کلیجے کو مسل کر میرے ہیں کلیاں کھلی جاتی — گزر ممکن نہیں باد صبا کا میرے آنگن میں
چرائی آہ بجلی نے میری آنکھوں کی چمک ہے ہے! — یہی سورج کی کرنیں ناچتی پھرتی ہیں گھر کے روزن میں
ہے بلبل پیش گل گریاں ہے قمری سرو پر نالاں — مزا آئے کسی کو آہ! مجھ بیکس کے شیون میں
بھڑکتی آتش گل سے چھپا ہے میرے جوبن کی — مجھے دھوکا ہے گلشن میں ہوں یا آئی ہوں گلخن میں
چھلکنا سو چکا اے بلبلو! برسات کی رت ہے — گری تھی میرے کاشانے پہ بجلی ہے نہاں دل میں

سنا ہے آہ میں مظلوم کی تاثیر ہوتی ہے
مگر قسمت سے میری آہ مجھ پر تیر ہوتی ہے

مرض کا میرے دعوٰی! قصر ہستی توڑ کر رہنا — تمنا چارہ گر کی یہ کہ تعمیر اثر رہنا
مری افتادگی طاقت، مری پژمردگی جوبن — مرے مسکن سے دور اے موجہ باد سحر رہنا
مری بیچارگی چارہ، ہوئی حرمان قسمت کا — مجھے سکھلا دیا بے طاقتی نے بے بصر رہنا
نہ رکنا خون تھرانے سے نہ تھمنا جان جانے سے — مگر ہاں! ضبط کرنا گریہ بند اے چشم تر رہنا
کہاں ہے ایک سی اے سرو! تیری میری بے باری — تجھے بے بر ہی رہ جانا مجھے بے برگ و بر رہنا
مرے دل کے کنول نے بند رہنے کی قسم کھا لی۔ — اسیری ہے خبردار اسکی مرغ خوش خبر رہنا
مجھے رحم اور آہ ہے اور پردے عار ہے مجھ کو — نہ کرنا رحم۔ اے بیداد گر بیداد گر رہنا
مری ہستی ہے جلنے سے، مرا جینا ہے مرنے سے — کہیں ٹھنڈا نہ پڑنا گرم اے غم کے شرر رہنا
کیا آباد تو نے خانۂ ویران حسرت میں — تو اے داغ جگر! میرے جگر میں گھر کیے رہنا

عیاں کیا کیجئے اغیار پر حال دل مضطر
مرے داغ جگر ہنستے ہیں میری خستہ حالی پر

دوا یہ ہی ہے درد دل کی کیا ہمدم بتا مجھ کو — طبیبو! ہاتھ اٹھاؤ تم مجھے درد دلا دو مجھکو

نہیں پادری کی نظر تیرے دیں پر نہیں آنکھ مسلم کی تیرے یقیں پر
تو قائم ہے اُس اعتقادِ ازیں پر نہیں جس کو جنبش زمان و زمیں پر
ترے آگے چنڈال ہو یا برہمن
نہیں اس سے اُلفت۔ نہیں اس سے ان بن

ہوئے آہ! بیگانے۔ اپنے یگانے ہیں خاموش کیوں قومیت کے ترانے
گئے ٹوٹ اُلفت کے تاگے پرانے ہیں بکھرے ہوئے میری مالا کے دانے
تو تارِ محبت میں اُن کو پرو دے
کدورت کے سب داغ سینوں سے دھو دے

برہمن پہ رازِ محبت عیاں کر کھشتری کو کہ تیغ زیرِ میاں کر
تو کہہ ویش کو، صاف دل کی دکاں کر نصیحت پہ شودر کو اے میری جاں کر
کہ ہم ہیں ازل سے سبھی بھائی بھائی
سبب کیا کہ باہم نہیں آشنائی

نہیں مجھ کو پروا تری منزلت کی عصا دلوا ہو کہ طوقِ غلامی
گدائی ملے تجھ کو یا بادشاہی بھرا گھر ہو یا زحمتِ بے نوائی
جو شہ ہو تو وحشت کو کشور بدر کر
گدا ہو تو بانگِ ولا در بدر کر

(صنفِ لطیف کی طرف سے)

ابتدائے عالمِ امکان میرے دم سے ہے | بزمِ دنیا رشکِ صحنِ رضواں میرے دم سے ہے
صفحۂ ہستی کی ساری شان میرے دم سے ہے | خاکِ آدم چشمۂ حیوان میرے دم سے ہے

میں نہ ہوتی تو زمین و آسماں ہوتے اُجاڑ
کیا عجب تھا بے مکیں سارے مکاں ہوتے اُجاڑ

مسند آرائے حکومت ہیں مرے نورِ نظر | لعل میری گود کے ہیں لوٹتے خاشاک پر
مایۂ راحت ہیں عالم کے مرے لختِ جگر | لاڈلے میرے ہیں کھاتے ٹھوکریں ہاں دربدر

سر پہ ہے سلطان کے سایہ مرا ظلِ ہما
ہے گدا کے ہاتھ میں کاسہ مرے ادبار کا

جنگ میں ہے دوڑا جاتا جاں ہتھیلی پر لئے | دل میں ہیں اس جنگجو کے ولولے کیا اٹھ رہے
جاں نثارِ قوم دل صدمے سہے کیا آن سکے | تشنہ لب یاں ہے اس روحانی لذت کیلئے

ذوق کی تصویر ہے یہ لڑنے والو دیکھو
اسکی غیرت خواں نہیں ہوگی نہا کر سر خسرو

کھیت میں دہقاں کھڑے ہے قلبہ رانی کر رہا | ہے عرق سے اپنے کشتِ زندگانی سینچتا

آمد کی تیری پاک خبر - دیپ مالکا! ہے سربسر نوید ظفر - دیپ مالکا!
دل سے رہا نہ غم کا اثر - دیپ مالکا! باندھا الم نے رخت سفر - دیپ مالکا!

لنکا سے رام آتے ہیں - کوشل ہے شادماں
فرش زمیں چو تختۂ نرگس ہے گلفشاں

رشک سحر کیا ترے آمد نے شام کو پُرنور کر دیا در و دیوار و بام کو
سیری وہ دی کرم نے ترے خاص و عام کو رہزن بھی چھوڑ بیٹھے ہیں مال حرام کو

انجم ہنسی اڑاتے تھے ظلمت پہ خاک کی
خاکی دیوں نے آنکھوں میں خاک ان کی ڈال دی

آئی جلو میں تیرے خوشی ناچتی ہوئی ہے ساتھ سیم و زر کی پری ناچتی ہوئی
یاں مجرئی بنی دھوپ کھڑی ناچتی ہوئی حاضر ہوئی وہ چاندنی بھی ناچتی ہوئی

مہتاب آفتاب کو ہے کون پوچھتا!
آنکھوں میں آج سب کی بسی دیپ مالکا!

تاجر کا بھر دیا تری چشم کرم نے گھر دہقاں کا دانہ دانہ ہوا خرمن گہر
نادار کی ہیں آنکھیں لگی آسمان پر آئے گی آج لکشمی چھپر کو پھاڑ کر

ہے بادشاہ یا کوئی بےکس فقیر ہے
رحمت سے تیری آج امیر کبیر ہے

ہے آج عام رحمت و فیض و سخا کی رات — ہے سربسر کرم کی سراسر عطا کی رات
ہاں ہاں! یہ ہے عنایتِ خاص خدا کی رات — پرماتما کی دین ہے اور دیا کی رات

افلاک سے برس رہی چھم چھم ہیں برکتیں
کیا ہے جو کوئی بدلی برس جائے ہند میں

اے دیپ مالکا! ترا جانِ کرم ہے نام — شاداب تیرے فیض سے آفاق ہے تمام
بھارت کی سرزمین ہوئی افلاس کا مقام — اِن اہلِ ہند کا کبھی اقبال تھا غلام

اب ہے ہماری تجھ پہ نظر دیپ مالکا!
ہاں ہم پہ بھی کرم کی جھڑی کوئی دم لگا

پُرنور تجھ سے دشت بھی ہے گلستاں بھی ہے — روشن تری جھلک سے زمیں بھی زماں بھی ہے
ممنونِ فیض تیرا جہاں بھی جناں بھی ہے — ہاں ہاں!! تری تجلّی یہاں بھی وہاں بھی ہے

چمکے گی کیا ضیاء تری انسان کے دل میں بھی؟
کیا تو مٹا سکے گی جہالت کی تیرگی؟

ہندوستاں میں آہ! جہالت کا راج ہے — اِس تیرہ کوٹھری کی بجھی شمع آج ہے
لٹیا کی مردوں کو یہاں احتیاج ہے — چلتا سہارے غیر کے سب کام کاج ہے

آ ہند کے تو جلیں گے تری جا بجا چراغ
گھر گھر میں تو علوم و فنون کے جلا چراغ

۱ یہ نظم اخبار ہندوستان کے دیپ مالا نمبر میں چھپی تھی ایڈیٹر صاحب نے یا کسی اور صاحب نے "بجھی شمع" کی جگہ "شمع روشن" کر دیا۔ تلفظ میں جو نقص واقع ہوا وہ ظاہر ہے اور اس کا ازالہ "یا روشن" لکھنے سے ہو سکتا ہے۔ شاید لفظ "آج" کے لفظی معنی "بجھی شمع" کے خلاف واقع ہوئے تھے "آج" سے یہاں مراد ان دنوں "آج کل" ہے ہندوستان کی موجودہ حالت کی طرف اشارہ ہے۔ اس دن کی خاص حالت کی طرف نہیں۔

آہ! بزرگِ ہند!

(دادا بھائی نوروجی کی وفات پر)

بزرگِ ہند! ہمیں کیوں ہے چھوڑتا؟ ہے ہے! قصور کیا؟ جو ہمیں ٹول ناطہ توڑتا ہے ہے!
ہے سارا ہند تجھے ہاتھ جوڑتا ہے! ہے ہے! ہے عین وقت پہ تُو ہم سے موڑتا منہ ہے!

دلوں کا ولولہ دل ہی میں نا تمام رہا
کمند ٹوٹی جو دو چار ہاتھ بام رہا

تجھے تھا قوم نے ہمت کا دیوتا مانا تجھے تھا قوم نے جرأت میں پیشوا مانا
تجھے تھا قوم نے آفت میں ناخدا مانا تجھے تھا قوم نے نبلے لیڈر سورما مانا

تھی پہلے ملک کی۔ اپنی بھلائی پیچھے تھی
تُو آگے آگے تھا۔ ساری خدائی پیچھے تھی

کبھی تو ہو گیا استاد۔ اور کبھی نامبر کبھی تو ملک کے اندر رہا کبھی باہر
کبھی تو بن گیا دیوانِ عام کا ممبر گواہ بن کے کمیشن میں تھا کبھی حاضر

ہزار سوانگ بھرے ملک کی محبت نے
ہزار رنگ دکھائے وطن کی الفت نے

مرا جو لڑکا تو یہ کہہ کے ہو گیا شاکر ہوا جو ہونا تھا۔ ہوتی پہ کیوں نہ ہوں صابر
ابھی ہمیں ہے بہت جینا ملک کی خاطر۔ تن نزار! نہ اب غم سے ہو جیو لاغر

یہ سوچ کر بہت عرصہ سوگوار رہا
بس اب وطن کا ہی سودا رہا خمار رہا

اجل سے تیری طبیعت نہیں حزیں کس کی   اجل سے تیری ہوئی چشم تر نہیں کس کی
مناتے سالگرہ کل تھے بانویں کس کی؟   جگر پہ موت سے اب گر ہیں پڑ گئیں کس کی؟

تھے کل سوراج کو اپنا تجھکو بیٹھے روتے ہیں
ہیں داغ قوم کے سینے پہ آنکو دھوتے ہیں

یہ در سے تیرے نکلتا جلوس شادی ہے؟   سوراج ہند کو ملتا ہے یہ منادی ہے؟
ہمیں یہ کس لئے گھڑیال نے صدا دی ہے؟   نہ تھا پتہ کہ نہیں شادی بیمرادی ہے؟

تھے باندھنے تجھے آئے سوراج کا سہرا
گلے میں اپنے خس وخاک کا بندھا سہرا

جو پالیٹکس کا ہندوستان میں چرچا ہے   وہ تیری دانش و تدبیر کا نتیجہ ہے
ترے ہی ہاتھوں اٹھایا ہوا یہ پودا ہے   ہزار حیف تو جاتا ہے اور یہ ننھا ہے

ہم اس کو یاد سے تیری ہمیشہ سینچیں گے
جو تجھ کو دینا ہے پانی وہی اُسے دینگے

قلق میں دل کو اب اتنا ہی چین حاصل ہے   جگر میں گھر ہے کلیجے میں تیری منزل ہے
ترے بیاں کی تصور میں گرم محفل ہے   کٹھن ہے ملنا تو چھٹنا بھی تیرا مشکل ہے

نظر سے دور سہی۔ تو دلوں سے دور نہیں
ہمارے گھر میں ہے جب محفلوں سے دور نہیں

اٹھائے جاتے ہیں وہ لاش اجل کے آنگن میں   ہمارے گھر میں پڑی لوٹ روز روشن میں
یہی تو کہدے کہ ڈھارس ہو دلکو شیون میں   کہ بیگی روح مری کام قوم کے تن میں

ہے نام سے ترے حُبِ وطن کی حِس باقی
رہے طفیل ترے دل کی کانگرس باقی

آچاریہ

آچاریہ نے عالم کو رہ راست دکھایا　　غافل تھی بڑی خلق اسے سوتے سے جگایا
گر عقل کا اقوام کو آدم کی سکھایا　　حیوان سے تھے انساں انہیں انسان بنایا
حیوان سے انسان کا رتبہ دیا اس کو
آچاریہ نے آدم سے فرشتہ کیا اس کو

شفقت سے انہی کی تھے کھلے سارے گل و گل　　تعلیم سے جن کی نہ کرتے تھے تامل
کرتے تھے یہیں زمزمہ خوانی گل و بلبل　　تھی جن کو سکھاتے تھے یہی نغمۂ قلقل
سب انکے تھے شاگرد یہ استاد زماں تھے
سب چھوٹے بڑے ان کیلئے جسم یہ جاں تھے

یہ راجوں مہاراجوں کے لڑکوں کو پڑھاتے　　اور مانگنے ان سے کبھی اک کوڑی نہ جاتے
شہزادے گداؤں کا سا کشکول اٹھاتے　　اور ساتھ کی بستی سے غذا مانگ کے لاتے
کچھ راج کنور ہونے کا ناز ان کو نہیں تھا
آچاریہ کی کٹیا میں ہر اک خاک نشیں تھا

نوٹ: آج کل ہندو برہمنوں میں ایک ذات اچارجوں کی ہے۔ جو مردک سنسکار کراتی ہے۔ اور لوگ اسے چھونے تک کے روادار نہیں۔ کچھ ان کا قصور ہے۔ کچھ قوم کا ہے۔ اسے زمانے میں تو آچاریہ وہ ہوتا تھا۔ جس کی فضیلت اس نظم میں بیان کی ہے *

سب راج کنور جن کو پتا کہ کے بلائیں   وہ جن کو مہاراج سر آنکھوں پہ بٹھائیں
مسند پہ جگہ دیں انہیں اور سیس نوائیں   ملت کے اکابر سب انہیں لینے کو جائیں

آہ! آج زمانے میں بُرا حال ہو اُن کا!
سب خاک میں مل جائے جو اقبال ہو اُنکا!

ہر طرح مبارک تھا جس آچاریہ کا مقدم   جس بزم میں ہو یُمن وہیں کرتا تھا پیہم
تھی ایک نظر سے سبھی شادی خلشِ غم   شادی میں نہ ہو یہ تو سمجھتے اسے ماتم

آج اُلٹا علامت ہیں اسے موت کی سمجھے
شادی پہ تو کیا! گھر میں یونہی آنے نہ دینگے

اعزاز سب اعمال کا صادق! ہے نتیجہ   ذاتوں کی کبھی اوٹ میں تدبیر چھپا تھا
آچاریہ دیانند نے یہ راز بتایا۔   شُودر ہے برہمن جو نہ وید پڑھاتا

جو مرتے کی ہیں راہ سدا تاکتے رہتے
کیا سمجھے اگر کوئی انہیں مردہ سمجھے

بندے کو تو لازم ہے کرے بندے سے اُلفت   آچاریہ کا ہے فرض نہ ہو تو گر خست
کچھ قوم کے جینے کی کرے دہرم سے حکمت   ہو سچے برہمن کی طرح رہبرِ ملت

پہنچ جائیں اگر ایسے ہوں آچاریہ ہمارے
دن قوم کے پھر جائیں بدلجائیں ستارے

*

کوئی اچھل پھاند کر گیا واں، تو کوئی طغیاں کو دے کے ٹکر
گئیں شعاعیں گرک آسماں میں ہوئی جو ہیروں کی تیر باری
پہنچنا سختوں میں سانس کیونکر؟ ہوا ہے ضیق النفس بھی طاری
تجھے پتہ بھی ہے؟ اے پتا کا! کہ تیرے وہ جاں نثار کیا تھے؟
وہ سچ پہ گردن کٹانے والے! وہ تجھ پہ جانیں لڑانے والے!
وہ خاک لنکا میں مل گئے؟ یا ابھی کہیں ہیں وجود رکھتے؟
کہاں وہ نل ہیں؟ کہاں ہیں ہنومت! کہاں ہیں آج ان کے لڑکے بالے
جو سچ سے رغبت ہوائے دھجا! تو وہ جھنجھیلر گئے ہمیں ہیں
ہمیں ہیں ان کی وفا کے وارث۔ نشان انکے بچے ہمیں ہیں
نہ زور بازوؤں میں اب ہے باقی۔ کہ جنگ کے دن تجھے اٹھائیں۔
نہ خون کی بوند ہے۔ رگوں میں کہ تیری خاطر اسے بہائیں
نہ سرکشانے کی اب ہے ہمت۔ کہ جاں ہتھیلی پہ رکھ کے جائیں
نہ آج وہ علم ہے۔ کہ جس سے جہاں کو لڑنے کے گر سکھائیں
مگر ہے پھر بھی یہ پاس تیری ہے جان کھو کر تجھے بچایا
نہیں جہاں میں جو تیرا میداں تو دل کے کونے میں ہے بٹھایا

کتنے نوروز؟

تو کتنی بار اے نوروز! ہندوستان میں آتا ہے۔
برس میں کس قدر پیغام سالِ نو کے لاتا ہے
کبھی تو چیت کے پھولوں میں رنگ بہار دکھاتا ہے
بہارِ عیش میں کیا کیا گلِ رنگیں کھلاتا ہے
دیانند[2] آبد کا اُتساہ سے آنسو مناتا ہے
رشی کے جاں نثاروں میں رشی کے گیت گاتا ہے
محرم کے دنوں[3] خونناب کے آنسو بہاتا ہے
ہمارے حال پر روتا ہے اور دل کو رُلاتا ہے
کبھی سوتوں کے سر پر دفعتاً اولے گراتا ہے۔
سفر کی مجبوری میں کس لئے تکلیف اٹھاتا ہے
بتا کیا مدعا ہے تیرے اتنے سوانگ بھرنے کا
عیاں روزِ مسرت میں شبِ آفات کرنے کا
شعاعِ مطلعِ امید تو بن کر کبھی آیا
شبِ آفات کا تاریک مو بن کر کبھی آیا
سسکتے پیاس سے تھے تو لہو بن کر کبھی آیا

---

[1] سمت بکرمی [2] رشی دیانند کی وفات سے جو سمت
آریہ سماج شمار کرتا ہے [3] سنہ ہجری [4] سنہ عیسوی

کرتے تعریف کے پردے میں ہیں توہین تیری — محوِ حیرت ہوں مذمت ہے کہ تحسین تیری

ہم مٹاتے ہیں تری حق کی پرستاری کو

ہم بتاتے ہیں نرنکار نرنکاری کو

ہیں تجھے جوش عقیدت سے پیمبر کہتے — کہیں عیسیٰ کہیں موسیٰ کا ہیں ہمسر کہتے

رام اور کرشن سے تو ہیں تجھے برتر کہتے — کوئی کلکی کوئی مہدی کا ہیں مظہر کہتے

جو نہیں بھگوا نہیں اجونی کو مقلد تیرے

پھر موحد رہیں اللہ سے موحد تیرے

جب دکھاتے تھے کرامات تھے کہتے اغیار — عجز کا معجزہ یوں پایا زباں سے اظہار

میں بھی بندہ ہوں مرا واہگورو ہے کرتار — تھی کرامات تری واہگورو کا اذکار

ہم تری سچی کرامت ہیں مٹائے جاتے۔

الٹا کرتار گورو کو ہیں بتائے جاتے

حق پرستی کا کیا تو نے دیا تھا روشن — غیر کو راہ نہ تھی۔ راہِ خدا تھا روشن

حق پرستوں کیلئے حلقہ ترا تھا روشن — بعد مدت میں توحید ہوا تھا روشن

بت پرستی کے سب آثار مٹائے تو نے

جو نرآکار کے جلوے تھے دکھائے تو نے

ہم نے خالص ہی رکھا آہ! تری بانی کو — دودھ کو پانی کہا۔ دودھ کہا پانی کو

کہہ دیا کلمۂ حق کلمۂ انسانی کو — رہنما بھولی عقیدت ہوئی اگیانی کو

گفتۂ غیر کو اوتار ترا سمجھے ہم

آرتی کرتے ہیں ستکار ترا سمجھے ہم

اِک بت کاغذی کو بھوگ لگاتے ہم ہیں — روز روشن میں گھڑے دیپ جلاتے ہم ہیں

دلِ بے خبر خاموش یونہی شنکھ بجاتے ہم ہیں — خوش تجھے کرنے کو گھڑیال ہلاتے ہم ہیں

بُت بھی گھڑ لیتے اگر سنگ تراشی آتی
سوئے پنجاب اودھ چھوڑ کے کاشی آتی

کوئی سورج کو کھڑا دیتا تھا جل گنگا کا — تو نے جل دینے کو مغرب کی طرف رُخ پھیرا
جو پہنچ جاتا ہے سورج کو زمیں پر چھڑکا — میرے کھیتوں کو بھی وہ پانی ہرا کر دیگا۔

پھیر قسمت کا ہے۔ دیتے ہیں تجھے ہم ہانی
تیرے ترپن کیلئے دسویں تمنّی ہے مانی

رُوح تھی تو نے تن قوم میں پھونکی اپنی — تو سمجھتا رہا ایثار کو پُوجی اپنی
تُو نے ہستی نہ الگ قوم سے سمجھی اپنی — قوم میں جان نہ تھی جان اُسے دی اپنی

بادشہ تو تھا ہمارا تو رعیت ہم تھے
تُو جو سالار تھا ملت کا تو ملت ہم تھے

سر کٹاتے رہے پیارے ترے ملت کیلئے — قوم کی رہ میں مرے قوم کی خدمت میں جیئے
گھونٹ امرت کے سمجھ کے جام شہادت کے پیئے — پیاسے بیٹوں کو دم تیغ کے پیمانے دیئے

شاہزادے بھی چنے جاتے رہے دیواروں میں
نام لکھوایا شہیدوں نے ترے پیاروں میں

آج اسی قوم کی افتاد سے بیزار ہیں سکھ — کل تلک خویش تھے اب پوچھو تو اغیار ہیں سکھ
اِک الگ ہستی قومی کے طلبگار ہیں سکھ — قوم نانک کی بگڑ جائے وہ ادوار ہیں سکھ

قطرے قطرے میں خودی کا ہے اُمڈتا دریا
وائے قسمت! رہا اِک بوند کو پیاسا دریا

جلوہ افروز ہے نانک مہ کامل کی طرح — تیرگی دُور ہوئی ہیبت باطل کی طرح
چاٹتی ہونٹ ہے ملت لب ساحل کی طرح — پُور ہا میں مدّا ہے بحر ابھر دل کی طرح

میری آنکھیں تو ہیں مدت سے جھڑی ساون کی
ماہ سما تک اگو ا بھارت میں گھڑی ساون کی

کاک بھشنڈی کا لیکچر

یا

کالے کی کائیں کائیں

۱۔ کالا پن

میرے کالے بھائیو! میری سنو — بات میں کہتا ہوں اک لگتی سنو

میرا تم سے ہے بہت مدت کا ساتھ — روپ کا ہے اور ہے رنگت کا ساتھ

کیا تمہیں پچھلا زمانہ یاد ہے؟ — وہ کاک بھشنڈی کا فسانہ یاد ہے؟

رام سے میری ہم آہنگی[1] رہی — یک زبانی اور یک رنگی رہی

ایشور نے ہندیوں کی اور مری — ایک سی شکل ایک سی رنگت رچی

تم کو کالے پن سے کیوں اتنی ہے عار — مجھ کو ایسی عار سے آتی ہے عار

کالی پتلی کو ذرا دیجے نکال — دیکھیں گر رہتی آنکھ کا پھر کیا ہے حال

گوری رنگت کی ہے کیا ایسی بہار — کالے تل کا اس میں ہے سارا سنگار

لاکھ اڑائے ہم پہ امریکہ ہنسی — ایک تو صورت دکھائے رام سی

لاکھ یورپ منہ پہ پھبتی اڑائے — ایک تو گوپال سا پیدا کر دکھائے

ایک تو اچھا چلا ہنسوں کی چال — قوم سے اس کو دیا ہم نے نکال

[1] میل جول

۳- قومی زبان

میرے کالے بھائیو! میری سُنو۔ بات میں کہتا ہوں دل لگتی سُنو
تم مری آواز کو ہو جانتے کائیں! کائیں!! خوب ہو پہچانتے
شخص بھی اس کو سدا کہتے ہو تم۔ دل میں کچھ بیزار سے رہتے ہو تم
مجھ کو بُلبل سا نہیں آتا الاپ میرا کوئل سا نہیں بھاتا الاپ
ہم پپیہے کی طرح گاتا نہیں۔ دل کسی عاشق کا بھرماتا نہیں
ہم نے سیکھی ہے ازل سے کائیں کائیں تم کو بھائے یا نہ بھائے کائیں کائیں
یہ اگر پوچھو مری ہے سنسکرت ہے یہی ہندی یہی ہے پراکرت
ہیں اسے کلجگ میں بھی بھولا نہیں مغربی تعلیم پر پھولا نہیں
تم کہیں پورب میں یا دکھن میں جاؤ سر کٹا دوں گر اسے جیتا نہ پاؤ
راگ بلبل کا تمہیں مرغوب ہے۔ کائیں کائیں مجھ کو اپنی خوب ہے
جائے کوا جرمنی یا پرتگال بات ہندی کی نہ سمجھے کیا مجال؟
سو زبانوں کا نہ جھگڑا چاہیے۔
قوم کی بس ایک بھاشا چاہیے

۴- شادی

میرے کالے بھائیو! میری سُنو بات میں کہتا ہوں دل لگتی سُنو
کیا کہا شادی نہیں کرتے ہیں ہم شادیاں کرتے ہیں۔ گو رسمیں ہیں کم
ہم میں ہے سستا طریقہ بیاہ کا ہم نے گر جنڈی نہ کھائی کیا ہوا؟

لہ آدرش (م) ۲ـہ زبان

ہیں لڑکپن میں برہمچاری سبھی — گو گورو کل کو نہیں دیکھا کبھی
مادہ اور نر جب ہیں ہو جاتے جواں — کرتے تب پیدا ہیں لڑکے لڑکیاں
خواہش بیجا سے ہیں ہم بے خبر — خود بخود ملتے ہیں جوڑے وقت پر
جاتی بے پردہ ہیں گو عزیزوں کے ہاں — پھر بھی باعصمت ہیں ساری گوپیاں
ہم میں گڑیوں کے نہیں ہوتے بیاہ — بوڑھے اور بچے ہوں دولہا آہ! آہ!
ہم میں بیوہ لڑکیاں ہوتی نہیں — ظلم کو ماں باپ کے روتی نہیں
دیکھ لو پھر اس ریاضت کا ثمر — ہیں ہزاروں سال جیتے بے خطر
سو برس تک تو ہیں رہتے ہم جواں — پھر ذرا ہوتا بڑھاپا ہے عیاں
یعنی ہے اک بال ہو جاتا سفید۔ — بچ پنے میں سر نہیں سارا سفید
یاں نہیں محتاج باپ اولاد کا — مرد و زن کو یاں ہے اپنا آسرا

جس پہ تم بھولے ہو وہ شادی نہیں
ایسی شادی خانہ آبادی نہیں

۵ - مذہب

میرے کالے بھائیو! میری سنو — بات میں کہتا ہوں دل لگتی سنو
ناز ہے تم کو پربھو کے گیان کا — لو ذرا اس کا بھی دوں جھگڑا چکا
تم نے لاکھوں رکھ دیئے دھاتا کے نام — پھر بھی جب دیکھو قضیہ ناتمام
ہم نے جانا ایشور کو شانتی۔ — روز ہے تم میں مہا بھارت نئی
صبح دم کرتے ہیں ہم حمد و ثنا — لڑتے رہنا ہے تمہاری سندھیا
پوجنے والے ہیں ہم بھگوان کے — چومتے پاؤں نہیں انسان کے

لہ مجرد ٹہ پاک۔ ٹہ ایشور پیدا کرنے والا۔ ٹہ ظاہر ٹہ امن صلح ٹہ جنگ

ہیں بہت پیپل سے ہم کو فائدے
پر گرتے سر نہیں اس کے تلے

فائدہ جس چیز میں ہو لے لیا۔
اشٹ دیو[۵] اپنا اُسے ٹھہرا نہیں کیا

ہم عبادت میں دکھاوا کیوں کریں
صاف دھوکا کس لئے دیوتا کو دیں

نام سے دیوتا کے لیں روزی کما
ہم نہیں کرتے یہ سودا جھوٹ کا

وید پہ چاپلی لگاتے ہم نہیں۔
ادم مندر میں چھپاتے ہم نہیں

ہم بنائیں کس لئے دیوتا کا گھر
جس جگہ دیکھو وہیں ہے ایشور۔

نام پر اُس کے عبث لڑتے ہو تم
کشمکش میں ہو رہا ہے دھرم گم

ایشور اپنا محافظ آپ ہے۔
تم کرو اس کی حفاظت پاپ ہے

اجازت!

لو اجازت! میرے کانے بھائیو!
ہو اگر دانا تو فکر اپنی کرو۔

ہم کو اور تم کو ہے کالے پن کی لاج
لاج اپنے رنگ کی رکھتی ہے آج

روشنی ہے کیسری اس رنگ میں
آؤ ہم تم آج رستہ نا بنیں۔

سوال ہے دنیا میں کالوں کا پڑا۔
تم کہیں پوچھا نہ وقت سوال کا

سبھ کہا میں نے کرو خوب اس پہ دھیان
دھیان دو دنیا اس پہ رکھتے ہو کان

ورنہ دیکھو گے ہوا میں دائیں بائیں
کوئی کوا کر رہا تھا کائیں کائیں

---

[۵] جس کی پوجا کی جاوے

نیا بُت

وحشت کا بُت پُرانا بُت بن گیا پُجاری! — اُلفت سے دل کی مورت کو بُت بنا پُجاری

وہ بُت بنا کہ سب کے سکھ کی جسے لگن ہو — دُکھ درد میں شریک ہو جو ہو جیسا پُجاری!

رو رو کے پتھر کے دیکھنے سے پتھرا گئی ہیں آنکھیں — اب جیتی مورتی کا درشن کرا پُجاری!

اس دھوپ چھپ سے ہیں [illegible] بہتر — آگے بُتوں کے آنکھ کی ہولی مچا پُجاری!

مسجد میں وید جسکی اور جلوہ دیر[1] میں ہو — مندر میں یوں تھا اس کو بٹھا پُجاری!

ناقوس کی گرج نے بُت کو کیا ہے بہرہ — تو چپکے چپکے دل کی گھنٹی بجا پُجاری!

کبھی کے دیوتے تیرے دل بھر [illegible] — کر او سے حق کی روشن دل کا دیا پُجاری

بندوں میں چھوت ڈالی اس چھوت والے بُت نے — اب کوئی بُت اٹھا کر نا مندر میں لا پُجاری

سینے میں تیرے کاشی، کعبہ ہے اور کلا...

صادق کیطرح اس کی کر جاترا پُجاری

---

۱ بنا ۔ ۲ جناب خوشی محمد صاحب ناظر کا مصرعہ ہے اُنھوں نے کسی اور ضمن میں تصنیف فرمایا ہے ۔ صادق کو اس کا استعمال اس ضمن میں زیادہ موزوں معلوم ہوا ہے ۔

۳ مندر ۴ شنکھ

۵ محبت ۔

خطـ

طاعون میں خدمت کرنیوالونکو

جو چاہے مرنے کے دُکھ سے چھوٹوں تو موت آنے سے پہلے مرجا
جو مر رہے جیتے جی ہیں دُنیا میں اُن میں جیون کی پھونک بھرجا
دوا ہو بیمار کے لئے تو ۔ نوا ہو نادار کے لئے تو
عصا ہو لولے کا بن سہارا ۔ غذا ہو بھوکے کا پیٹ بھرجا
دہرم کے مندر میں تجھ کو جانا ہے اور درشن بتوں کا پانا
تو بھینٹ سے ہمارے بُت کی ۔ رکھے ہتھیلی پہ اپنا سرجا
نہ دیکھ کانٹے ہیں یا ہیں کنکر ۔ برستے سر پہ ہیں اینٹ پتھر
ہیں تارے برساتے پھول تجھ پر بڑھا قدم بیدھڑک گذرجا
کنوئیں میں مت ڈال نام اپنا ۔ نہ کھود پتھر کے تخت میں اس کو
جو یاد چاہے تو مثل سوامی[1] ۔ تو راکھ تک نذرِ قوم کرجا
یتیم بچے کو روتا دیکھے تو اُس کو ماں باپ بن کے پرچا
جو دیکھے بیوہ کو بے پسر ہے ۔ سپوت بن ۔ اس کی گود بھرجا

[1] سوامی دیانند جی مہاراج جن کی وصیّت تھی ۔ کہ اُن کی راکھ کسی کھیت میں ڈالی جائے ۔ اُن کے سامنے تجویز کی گئی تھی ۔ کہ اُن کا بت بنایا جائے تو اس کے جواب میں رشی نے یہ الفاظ فرمائے تھے +

نہ آئے طاعون اور ہیضہ نہ سامنا ہو کسی وبا کا۔
ہون۱ میں تن من کی آہوتی دے جہان میں بل رشی دیا کی کر جا

سورگ۲ میں کیا ہے کام تیرا۔ نرک کی چیخوں کا سن بلاوا
ادھر تو سب سکھ ہے۔ اس میں سکھ کیا؟ ہے دکھ مٹانے بس ادھر جا

یہ کیا ہے خیرات گھر پہ اپنے تو بھیک منگے کو ہے بھیک دینا
جو جانتا ہے کوئی ہے دکھیا تو بن کے دکھیا خود اسکے گھر جا

مثال۳ رادھا کشن۴ ہتارام چھوڑ اپنی خودی کو صادق
جو چاہے آرام خلق بننا تو اپنے آرام سے گزر جا

۱۔ ہون کا ایک مدعا بیماریوں کا دفعیہ ہے۔ اس سے ہوا صاف ہوتی ہے اور ایسی ادویات کے ذرّے ہوا میں منتشر کئے جاتے ہیں۔ جن سے بیماریوں کا اثر زائل ہو جاوے۔

۲۔ یدھشٹر کی بابت روایت ہے۔ کہ جب اسے سورگ یا بہشت میں لے جانے لگے۔ تو اس نے دوزخ میں جانا پسند کیا تھا مدعا یہی تھا۔ جو اس شعر میں کہا گیا ہے۔

۳ و ۴ ان مہاشیوں نے پلیگ کے دنوں میں بہاولپور میں پلیگ زدوں اور اُن کے دردرسیدہ پسماندگان کی بے غرض خدمت کی تھی۔ انہیں کے لئے یہ خطبہ لکھا گیا۔ اور ایک عام جلسہ میں جو آریہ سماج کے زیر سایہ ہوا پڑھا گیا۔

ایک گناہگار دل

ایک پردہ دار کو دیکھکر

پردے میں جارہا ہے کوئی دل گناہگار — آنکھیں جھکی ہوئی ہیں کہ ہے سخت شرمسار

زیرِ حجاب اسکی گر اُٹھتی نظر نہیں — مجبور ہے گناہ سے گردن ہے زیرِ بار

چلتا گلی میں بچ کے ہے انساں کی ذات سے — روزِ ازل کی ایسی ہے کھائی ہوئی اُدھار

کرتا اندھیری رات میں حرکت ہے خوف سے — ہے شپرہ کہ بوم ہے سورج سے جسکو عار

ہے جسم کو لپیٹے ہوئے سر سے پاؤں تک — قاتل کو جوں فرار میں ہو خوفِ اشتہار

گھر میں ہے تو سب کی نظر سے چھپا رہے — کہنا ہو کچھ تو دبکی زبان سے کرے پکار

کھانا بھی اسکا جرم ہے پینا بھی جرم ہے — ایسے قبیح فعل کرے ہیں! یہ نابکار

چھپ کر تو خیر منہ میں کوئی لقمہ ڈال لے — کھائے اگر کھلا تو یہ شوخی ہے ناگوار

اغماض و چشم پوشیٔ انساں پہ آفریں — لائق پناہ کے ہیں کب ایسے سیاہ کار

ہے کیا دبی زبان میں یہ غوں غاں سی کر رہا — سنتا جناب! اسکی یہ گفتار بیوقار

"حق شاہد است ہیچ گناہے نہ کردہ ام
جز اینقدر کہ مادرِ جنسِ بشر منم"

ع۱ اچھنگا ڈر ۔ ع۲ پرماتما گواہ ہے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہی قصور ہے کہ قوم انسان کی ماں ہوں ۔ اس شعر میں اس پہیلی کا حل ہے ۔

تلک کا ماتم

دیا نہ گرچہ کسی نے تلک کو راج تلک — سمجھ کے رکھتا تھا سب ترک تخت و تاج تلک

غضب تھا کرنا کہ بالجبر دوست دشمن کے — دلوں سے لیتا عقیدت کا تھا خراج تلک

سوراج لینا تھا دیوتوں سے دلو یا دوں کو؟ — تھی دیو لوک میں کیا تیری احتیاج تلک

یہ مانا تیرے ہیں پیرو بھی ہم میں ہمرہ بھی — تھی اور تیری طبیعت کا مزاج تلک!

نہ تھا سوراج مگر تو جبین ہند پہ تھا — سمجھ رہے تھے تجھے اہل ہند راج تلک

بھنک ہے کان میں تیری شبیہ آنکھوں میں — یہ اعتبار کرے کون گم ہے آج تلک

ہمارے ہاتھوں پہ اٹھا ہمیں خبر نہ ہوئی
ہمارے ہاتھوں سے اترا ہمیں خبر نہ ہوئی

سوراج کا ہمیں سہرا تجھے پہنانا تھا — سجی برات تھی - نوشہ تجھے بنانا تھا

پریزیڈنٹی تجھے کانگریس کی کیا دیتے — وہ اور تخت تھا جس پر تجھے بٹھانا تھا

نکالنا ترے گھر سے سوراج کا تھا جلوس — چھپا یہ کس کو لٹا کر یہاں سے جانا تھا

تلک تھا تخت کے قابل کہاں نصیب اپنا — تجھے ہی تجھ پہ آج اے قضا لٹانا تھا

گلی گلی میں گونجا تھا موسم رول کا گیت — کے نشاط میں ماتم کا گیت گانا تھا

سہاگ لاد کے محمل رواں ہوا تیرا
جنازہ قوم کو بار گراں ہوا تیرا

---

۱ مسند نشینی کا ٹیکا . . . . ۲ پرماتما گواہ ہے ۔
۳ شان و شوکت ۔ ۴ دیکھو ۱

کسی کا کیا کوئی عالم میں اعتبار کرے — وفا کرے کہ جفا کوئی اختیار کرے
چرائیں قوم سے آنکھیں جو قوم کے لیڈر — تو قوم مہر ملایک[1] کی انتظار کرے؟
ہمیں خبر ہے محبت تھی تجھ کو تاروں سے — تو اورین[2] میں ہے کیا؟ واں کوئی پکار کرے
سنیں نہ اپنے تو پھر کوئی آگے غیروں کے — ہزار اشک بہائے فغاں ہزار کرے
جو دیکھا پیکر تصویر - کاغذی[3] نکلا - — سو حسن پیار کے قابل تو کوئی پیار کرے
جو اہل صبر ہو - پی جائے زہر کی گھٹی — ہو ناشکیب[4] تو دامن کو تار تار کرے

مصیبتوں نے اِدھر دل نزار کر ڈالا
تری قضا نے اُدھر سوگ وار کر ڈالا

تھی طبع میں تیری دانائی بھی شجاعت بھی — پڑی تھی گھٹی میں تدبیر بھی حمیت بھی
جو مانگتا تھا وہی بڑھ کے چھین سکتا تھا — لبوں پہ مانگ بھی تھی بازوؤں میں طاقت بھی
نہ در پہ چارہ گری کے تری ہے دستک زن — ادھر مصیبت پنجاب - ادھر خلافت بھی
بتوں کے طعنوں نے گھائل کیا ترا سینہ؟ — چھری سے تیز تر اپنوں کی ہے ملامت بھی
گراں تھا خاطر نازک پہ چھوٹ کا صدمہ — کھٹکتے اتنے نہ تھے واقعات سورت بھی
بنا دیا ترے قدموں نے جیل کو تیرتھ — زہے نصیب! ہوئی کرشن[5] کی زیارت بھی

عہ۱ فرشتوں کی مہربانی۔

عہ۲ تلک مہاراج علم نجوم میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ اورین نام کے ستاروں کے بیانات سے آپ نے آریوں کے ابتدائی وطن کے متعلق نتائج اخذ کیے ہیں۔ اور اس پر ایک کتاب اسی نام کی لکھی ہے جس کی تصنیف نے اس وقت محققین میں ہلچل مچا دیا عہ۳ غالب کا مصرع ہے کہ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔ عہ۴ بے صبر

عہ۵ سری کرشن کی پیدائش جیل خانے میں ہوئی تھی۔ تلک مہاراج

ہے دین جیل کی ہمدم! پیامِ گیتا کا
ہیں گاتے بیڑی بجا کر کلامِ گیتا کا

زمیں پہ ہو تجھے آنا تو پھر نمک بن جا — فلک پہ چشمِ ملائک کی مردمک[1] بن جا
ہو برہمن کو ترا نور نورِ نقش نماز — جبینِ شیخ پہ تقدیس کا تلک بن جا
ہے اہلِ بار کا جھکنا حقیقتاً اٹھنا — نہ جھک۔ ثمر سے لدی شاخ کی لہک بن جا
قفس کی قید میں ارمانِ حریت بن کر — گلو میں قیدیٔ طائر کی ہو چہک بن جا
ہے عار گر تجھے غنچے میں بند رہنے سے — تو مہر توڑ دے گلزار کی مہک بن جا
نہ آگ میں ہو نہ بجلی میں ہو نہ تارے میں — کرن کی طرح نکل قید سے چمک بن جا

وطن کے واسطے شخصیّت اپنی قرباں کر
حیاتِ قوم کا مرنے سے اپنے ساماں کر

بقیّہ حاشیہ صفحہ ۵۲ :-
لے گیتا رہسیہ کی تصنیف بھی جیل ہی میں کی۔
[1] فرشتوں کی آنکھ کی پتلی۔

مہاتما گاندھی کا خیر مقدم

آنکھ کیا آنکھ ہے جس نے نہیں دیکھا گاندھی
دل وہ کیا دل ہے نہیں جس میں سمایا گاندھی

تاب بے تابی کی لایا ہے گزرا رستہ ہے
ہم نے کس شوق سے دیکھا سرِ راستہ گاندھی!

خون نہیں حسرتِ دیدار ہوئی - ہمّت ہے
تین[1] بار آنے کو تھا اور نہ آیا گاندھی

کب کی گندھ[2] آئی تھی دھوکا تھا ہمیں قربت کا
تھی مہک اتنی - تھا کیا دور سے مہکا گاندھی

خواب میں تو تھی فقط خواب کی صورت صورت
آہ! بیداری میں بھی تو رہا آتنا گاندھی

اس قدر زور جو کرتی ہے - تواں بھی کچھ ہے؟
ناتوانی سے بھی کیا کم ہے توانا گاندھی

روح پر جسم کی منت ہو گراں باری ہے
اس گراں باری سے ہلکا رہا ہلکا گاندھی

توپ تلوار تو کیا ہاتھ سے خنجر گر جائے
سر پہ توپوں کے ہے پھر کیونکہ گرجتا گاندھی

---

[1] ملتان میں - [2] خوشبو

ضعف کو زور بنا لیتے ہیں طاقت والے
ہے دوا درد جو بیمار ہوں حکمت والے

چارہ گر اکس لئے پھر طالب درماں ہم ہیں؟
زخم ہنستے ہوئے کہتے ہیں۔ نمکداں ہم ہیں۔

میہمانوں کی ضیافت میں ہوئے جاتے ہیں صرف
میزباں کیا ہیں۔ کوئی روز کے مہماں ہم ہیں۔

ہائے! اکس ذوق سے ہنستا ہے جو ہم روتے ہیں
دل لگی کا بھی ستم کیش کی ساماں ہم ہیں

تار ہستی میں طوالت بھی ہے۔ اور الجھن بھی
جو کبھی ٹوٹے نہ پورا ہو وہ پیچاں ہم ہیں۔

مہر لب پہ ہے تو ہے قفل قلم پر اپنی
حجرہ حسرت کا۔ ارمانوں کے زنداں ہم ہیں

لب تو کھولے تھے مگر روک لیا حیرت نے
اپنی خاموشی پہ انگشت بدنداں ہم ہیں

گر نہیں اشک بہانے کا سلیقہ چپ رہ۔
المدد ضبط! پھر آمادہ فغاں ہم ہیں

سیل خونتاب میں کیا کیا نہ بہے صبر و شکیب
پھر وہی پنجۂ وحشت ہے وہی دامن جیب

آن کو منظور بھی تھا۔ کوئی غوغا نہ کرے
اس میں پھر شکوہ انہیں کیا کوئی شکوہ نہ کرے

ہم ہوئے گرم تقاضا۔ وہ ہوئے گرم ستم
یعنی اس گرمی سے پھر کوئی تقاضا نہ کرے

مار کر صاف مکر جانا ادا ہے - اُس کی
اس کا ایمان نہ بچے - یاں کوئی دعوےٰ نہ کرے
صاف وحشت تھی - جنوں تھا خفقاں تھی الفت
کوئی دل دے کے یہ خفقان کا سودا نہ کرے
میری رسوائی سے شہرہ ہوا اس قاتل کا
آپ گمنام رہے گر مجھے رسوا نہ کرے -
گرمی سردی محبت سفاک کی کس برتنے پر
کوئی آنسو نہ بہائے کوئی نالہ نہ کرے
تیرے چمکانے سے جوبن ہے چمکتا صادق عشق کی آگ سے ہے حسن بھڑکتا صادق
نالۂ ضبط شکن! دیکھ - نہ نادانی کر
کوئی دم حسرتِ پرواز کو زندانی کر
ڈوبنے ڈوبتے پہنچے ہیں قریب ساحل
دیدۂ نوح! نہ پھر بحر کو سیلانی کر
ننگا اچھا تھا کہ تھا باغ جناں کا باسی
چھوڑ پردیسی قبا - عادتِ عریانی کر
کردیا مکتب تہذیب نے لاشئے تجھ کو
ہے کوئی شئے تو کوئی اور سبق خوانی کر
کون کہتا ہے تجھے ؟ رو نہ مصیبت کے دنوں
اشک پوشیدہ بہا - نالۂ پنہانی کر
دیوتا خوش ہوں مرے - تجھ سے خدا ہو راضی
نفس امارہ کو مار - اور نہ قربانی کر
ہے اسہاگ سہے ، ماسے مت کر سہاگ مان گاندھی کا کہا - سوگ تجھے صادق ابھو گیا

(ریاست بہاولپور کا ایک واقعہ - انیسویں صدی کے آغاز کا)

کہوں کیونکر؟ تمہاری ریاست کا حقیقت چھنکو — بڑھ کے تھی تیری حقیقت سے شہادت چھنکو!
سہ گیا تو جو ملی تجھ کو اذیت - چھنکو — لب پہ آیا نہ ترے حرفِ شکایت چھنکو!

تو اگر کم تھا؟ کہ تجھے چھوٹے گلے کی جڑ تھی
گالی کے بدلے جو دی تو نے بکا ایک گالی

گالی دینا تو کبھی تھا نہ تری عادت میں — اور نہ کچھ بدلہ چکا دینا ہی تھا طینت میں
جانے شک کیا تری پاکیزگیٔ فطرت میں — جلوہ گر ایک ادا گالی کی تھی صورت میں

گالی دینے کا چکھا ہی تھا بد گو کو مزا!
لطف کچھ اُس کو بھی معلوم ہو بد گوئی کا

رام سے تیری محبت کا نہ تھا کچھ انداز — دھرم میں تیری عقیدت کا نہ تھا کچھ انداز
تیری ہمت کا شجاعت کا نہ تھا کچھ انداز — صبر کا ذوق صداقت کا نہ تھا کچھ انداز

تجھ پہ ٹھوکا بھی گھسیٹا بھی تجھے مارا بھی
بل بے مردانگی تیری! تو کہیں ہارا بھی؟

؎۱ حلوائی تھا - ؎۲ ایک مسلمان نے پکوڑے لئے اور کہا کہ تھوڑے ہیں - ساتھ ہی گورو کی گالی دے دی - جس کے جواب میں چھنکو نے پیر کی گالی دی - سارا طوفان جس کا اگلے شعروں میں بیان کیا گیا ہے اسی کا نتیجہ تھا

بیکدل قاضی تھا بولا کوئی جھنگڑ ہوگا کب بھلے چنگے کو یوں حوصلہ ہو مرنے کا
کوٹھری پاس تھی چھینکو کو وہاں بھجوایا[1] اسکا فتنہ اُٹھ گئے پہ اسے پوچھوں گا

دیتے تھے مشورہ سب سیانے مکر جانے کو
پر تلا بیٹھا تھا تو دھرم پہ مر جانے کو

رو نگٹا رونگٹا نکلا ہے وہیں بن جاتا چھیدتا تیری زباں کا ہے جہاں یاد آتا
ہے اس درد میں بھی تو نہیں تو گھبراتا اِک قدم راہِ صداقت سے نہیں باز آتا

گرم لوہے نے ہے گرمایا لہو کو تیرے
صدق چھن چھن کے ٹپکتا ہے بڑا چھیدوں سے

کہتے ہیں ہونیکو دیندار یہ یاں سکو قبول رام کے بھگت بھی ہوتے ہیں پر ستار رسول[2]
مال کیا چیز ہے ؟ ڈالی ہے یہاں جینے پہ دھول دھرم جس جینے سے کھو جائے وہ جینا ہے فضول

دھرم کی راہ میں مر جاتے ہیں مرنے والے
مر کے جی اُٹھتے ہیں جی جاں سے گزرنیوالے

دے دیا قاضی نے فتوے اسے مارو پتھر گاڑ کر آدھے کو آدھے پہ گراؤ پتھر
دائیں سے بائیں سے ہر پہلو سے پھینکو پتھر اور پتھر بھی وہ پھینکو اسے کردو پتھر

پتھروں کی تھی برستی تیرے سر پہ بوچھاڑ
اور تو ساکت تھا کھڑا جیسے تلاطم میں پہاڑ

رام کا نام تھا کیا گونج رہا میدان میں نا خدا بھولا نہ تھا ڈوبنے کو طغیاں میں

---

[1] خود قاضی نے شہر کے ہندو سر پنچوں کو بلا کر چھینکو کو صلاح دینے کو کہا تھا ۔

[2] چھینکو رام کا بھگت تھا۔ اور ان ساری مصیبتوں اور مظالم کے ہوتے ہوئے وہ رام کا نام ورد کئے جاتا تھا ۔

ایک ٹ تھی کہ نہ رُکتی تھی کسی طوفان میں ایک بھی چھید نہ جھکتی کے ہوا داماں میں
کب عبث ہاتھ سے بدخواہ کے چھوٹا پتھر
دھرم پر کوڑا اٹھا - تن پہ جو ٹوٹا پتھر

ایک جانباز کو حالت پہ بڑی رحم آیا دیکھ کر تجھ کو اذیت میں گھرا گھبرایا
اور کچھ بن نہ پڑا ہاتھ میاں پر لایا کھینچ کر میان سے تلوار اُسے چمکایا
آن کی آن میں سر تیرا جدا تھا تن سے
پر وہی دُھن تھی رواں اُڑتی ہوئی گردن سے

جان ہے اے جاں! انو پھر اس گ پہ قرباں ہو جا زندگی! چھنکو کی سنی موت کا ساماں ہو جا
رام کا دھرم - عیا شمدکا ایماں ہو جا دردِ جن درد - بڑھے درد کا درماں ہو جا
دیکھ یوں مرتے ہیں اس راہ میں مرنے والے
مر کے جی اُٹھتے ہیں جی جان سے گذرنے والے

ہائے چھنکو کا نہ میلا ہی کہیں ہوتا ہے یاد میں اُس کی نہ جلسہ ہی کہیں ہوتا ہے
کوئی تقریر نہ خطبہ ہی کہیں ہوتا ہے اس شہادت کا نہ چرچا ہی کہیں ہوتا ہے
داغ اس دل کے کھلے رہتے ہیں اک سینے پر
یاد آتے ہی برس پڑتے ہیں ہر سو پتھر

ء یہ ایک پٹھان تھا +

مہاتما گاندھی ماتم میں

مہاتما گاندھی کے اعلان پر کہ سال گذر گیا ہے اور ابھی سوراج نہیں آیا۔ ہم ماتم میں ہیں۔ جس کے اظہار میں مہاتما فقط لنگوٹ میں رہنے لگے ؛

آج سنتے ہیں کہ وہ رشکِ قمر ماتم میں ہے ۔۔۔ دیدۂ عشاق کا نورِ نظر ماتم میں ہے
ٹھاٹھ کے پتلے نے کیا کر لی لنگوٹی اختیار[۱] ۔۔۔ رو رہی ہے شان و شوکت کروفر ماتم میں ہے
چسکے فیشن پر تھے کل تک اہلِ فیشن مست ناز ۔۔۔ آج انگرکھے کی چادر اوڑھ کر ماتم میں ہے
دستِ وحشت پر ہی قابو چشمِ تر پر ہی ضبط ۔۔۔ دیکھنا تصویرِ ماتم سر بسر ماتم میں ہے
کر گیا طوطی ہمیں گجرات کا آئینہ رو[۲] ۔۔۔ ہم ہیں ماتم میں وہ گجراتی اگر ماتم میں ہے
کُند ماتم میں بھی تو سر پیٹنے ہمت نہیں ۔۔۔ درد میں دل ہے ہمارا اک جگر ماتم میں ہے
آ گیا ماہِ دسمبر۔ دور ہے ابتک سوراج ۔۔۔ کب تلک رہ دیکھئے چشمِ رہ نگر ماتم میں ہے

کر چکے صادق بہت منت بہت کی التجا
اب ذرا چپ رہ کے دیکھو کیا اثر ماتم میں ہے

---

[۱] اُن دنوں کی طرف اشارہ ہے۔ جب مہاتما گاندھی (جب مسٹر گاندھی تھے) بُوٹ۔ سُوٹ۔ کالر۔ ٹائی میں رہتے تھے ؛

[۲] طوطی کو بولنا سکھانے کا طریقہ یہی ہے۔ کہ اُسے آئینہ کے آگے رکھدیتے ہیں ؛

چرخے کا راگ

چرخے کی بھینی رُوں رُوں میں ہیں سُنتے راگ سودیشی کا
یہ میٹھا باجا بجنے سے پھر جاگا بھاگ سودیشی کا۔
پھر کاتا سُوت سُہاگن نے لیا چرخہ ویش انوراگن نے
سب چھوڑا اٹھا ٹھ براگن نے۔ ہوا خوب انوراگ سودیشی کا
تھا بستر باندھا دولت نے۔ چھوڑا تھا ساتھ محبّت نے
مُنہ موڑا اچھی خصلت نے۔ کیا جب سے تیاگ سودیشی کا
پھر کھدر شادی بیاہ میں ہو ہر رسم میں ہو ہر راہ میں ہو
اب دیر نہ اس کی چاہ میں ہو پھر سو ہے سہاگ سودیشی کا
یہ توپ نہیں تلوار نہیں۔ چرخہ کھنڈے کی دھار نہیں
تیز اور اس سے ہتھیار نہیں جاو یری بھاگ سودیشی کا
پھر نکلے تانت محبت کی۔ پھر چھیڑو تان مروّت کی
پھر جاگے قسمت بھارت کی ہو راگ بھاگ سودیشی کا
گھر گھر والی چرخہ کاتے گی۔ گوُ بجے گی کھڈی کھدر کی
یہ ہو گی صورت گھر گھر کی۔ تب جانتا راگ سودیشی کا
صادق ہو موسم ہولی کی۔ اور دُھن ہو بولی بولی کی
بن آئے ٹھاٹھ کتھولی کی سب کھیلیں بھاگ سودیشی کا

چلو جیل کو

سُنو لاجپت کی - چلو جیل کو ہو نہرو کے ناطی ؟ چلو جیل کو
صدا دا اس نے دی - چلو جیل کو ہے شوکت کی مرضی چلو جیل کو
وہ کہتے ہیں گاندھی چلو جیل کو
ہو بھارت کے باسی ؟ چلو جیل کو

گورو تیغ نے محل مانا ہے جیل عزیزِ مصر کا ٹھکانا ہے جیل
شری کرشن کا گھر پُرانا ہے جیل نیا کب یہ ہم کو بسانا ہے جیل
وہ بجتی ہے بنسی - چلو جیل کو
ہو بھارت کے باسی ؟ چلو جیل کو

کبھی کیا پڑا بیڑیوں میں ہے ہند رہا کب رہا ؟ قیدیوں میں ہے ہند
گھراتی نئی آفتوں میں ہے ہند سمجھتی ہے دنیا مردوں میں ہے ہند
ہے چلنے کی گھڑی - چلو جیل کو
ہو بھارت کے باسی ؟ چلو جیل کو

ہیں کھاتے تھے لاجپت جیل کی وہاں اُن سے سُنتا صفت جیل کی
بڑھی اُن دونوں منزلت جیل کی - نہ پوچھو ہے کیا تمکنت جیل کی
ہے عزت حقیقی چلو جیل کو
ہو بھارت کے باسی چلو جیل کو

یہ ہے بلی ہوا وقت ایثار کا ہمیشہ رہا دھرم جونار کا

ہے کیا خوف بیڑی کی جھنکار کا؟ تلک دو ہیں ملک کے پیار کا
کہو بہنو اور بھائی! چلو جیل کو"
ہو بھارت کے باسی؟ چلو جیل کو

وہی مادرِ ہند ہے جیل میں ہیں نذرِ دودھ سے جن کے اب تک رگیں
چلو جیل ہیں ماں کے درشن کریں کوئی بخشوا دودھ کی دھار لیں
ہے میّا بلاتی۔ چلو جیل کو
ہو بھارت کے باسی؟ چلو جیل کو

حبِّ وطن

گر نہیں حبِّ وطن دل میں تو گویا دل نہیں بے مکیں دولت سرا ویرانہ ہے منزل نہیں
بزمِ دل قائم ہے یادِ دوستانِ دور سے اُٹھ گئے جب اہلِ محفل ہی تو پھر محفل نہیں
بیچ میں دریا کے رہ کر بلبلہ ہے تشنہ کام خشک ہو رہی ہیں کچھ دریا سے لبِ ساحل نہیں
ہیچ ہیں الوانِ نعمت ہیچ سامانِ عیش گر درِ عشرت سرا پر دعوتِ سائل نہیں
ہو فدا آبِ وطن پر موجِ دریا کی طرح دیکھیں کس قطرے کے دل میں پھر تری منزل نہیں
خاک میں انساں کی کیا اکسیر کی تاثیر ہے خاک اسیرت میں جو جوہر اُنس کا شامل نہیں
لاکھ ہو پردیس صادق! لاکھ غربت میں رہوں
ہوں وطن میں گر وطن کی یاد سے غافل نہیں

رہبر لاجپت کی قید پر

کسی کی قید سے کٹتی ہیں بیڑیاں غم کی
کسی کو عیش میں جینا حرام ہوتا ہے

کسی کو دیتی ہے بندش پیام آزادی
کسی کو چھوٹنا حبس دوام ہوتا ہے

کسی کے خون سے بہتی ہیں ندیاں ناحق
کسی کے ظلم کا لبریز جام ہوتا ہے

ہزار الٹی چھری سے کرے حلال کوئی
کسی کے مت میں تڑپنا حرام ہوتا ہے

زباں ہلانا تو آتا ہے طفل آدم کو
مگر کلام کسی کا کلام ہوتا ہے -

یہ جیتے جی کے قضیے ہیں سر بسر سرکار
جو سب کو مار دو قصہ تمام ہوتا ہے

کسی کے آنے سے قیدی ہیں چھوٹتے لاکھوں
کسی کے آنے سے حبس عوام ہوتا ہے

کوئی سلام کرے کیا کسی کی عظمت کو
ہزار فتنہ کسی کا سلام ہوتا ہے

کہا یہ کس نے ؟ تم احکام مانو گاندھی کے
کسی کے نام سے بھارت کا کام ہوتا ہے

کوئی ہزار ولے گٹکا کرے جیل میں جانا
کسی کو چنج کا دانہ ہی دام ہوتا ہے

سزائے[۱] سخت یہ صادق! نہ ہو جو حیراں
کسی کے حکم کا کوئی غلام ہوتا ہے

۱؎ چھ مہینے قید محض - ایک سال قید سخت - سرکار نے آخر ان دونو مقدموں کی سزائیں منسوخ کر دیں ◆

شریمان سٹوکس

امریکہ چھوڑ ساکن ہندوستاں ہوا ہندوستانیوں کو مسیحائے جاں ہوا
رخصت قضا ہوئی ترا جانا جہاں ہوا تم کا ترا اک ایک نفس ترجماں ہوا

ہندوستاں میں عیسوی اعجاز کر گیا
عیسٰی کے سر سے ہند کا احسان اتر گیا

تو کس لئے لگی تجھے ہندوستان کی جانا تھا ہے کن حقوق کے مالک ہیں بھارتی
افریقہ جا کے دیکھ ہیں کتنے ابھی قلی دامن بچا کے چلتا ہے ہر ساکن نجی

ہندوستاں میں رہنے سے ہندی غلام ہے
کالے سے گورے قیدی کو لگتا حرام ہے

کس مہ لقائے جمال نے بھرمایا دل ترا کس شاہد کمال نے پھسلایا دل ترا
ہندوستانی حسن پہ کیونکر آیا دل ترا کس بانکپن کے خبط میں الجھایا دل ترا

ہندی کی چاہ ہے کہ ہوں تجھے ولائتی
تو اودیاں لگانے لگا اپنی نسل کی

---

۱ سٹوکس جہاں شملے پلیگ کے دنوں میں پلیگ زدوں کی خدمت کرتے رہے
ہیں۔ ۲ کوڑھا ہو جا، عیسٰی کسی مردے کو جلاتے وقت یہی لفظ کہا کرتے تھے
۳ عیسٰی کی زندگی کے بارہ سال کے متعلق کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں رہتے
نیپال کی ایک کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اندنوں ہندوستان میں رہتے اور تعلیم
پاتے تھے۔ ۴ سٹوکس نے ہندوستان کی ایک دیوی سے شادی کی ہے۔

بھنگی کا لڑکا
گوروکل ملتان کا ایک واقعہ

(۱)

وہ بچہ کسی کا رو رہا ہے — کیڑوں نے اُسے ہے کاٹ کھایا
رو رو کے وہ جان کھو رہا ہے — اے مادرِ ہند! تیرا جایا

(۲)

جا کر کوئی رونے کو اٹھا لے — بھنگی کا ہے کہتے ہیں یہ لڑکا
ماں بن کے کوئی گلے لگا لے — ہندو کو تو چھوت کا ہے کھٹکا

(۳)

میں رونے کو دیکھ بھی سکوں تو — ہمدم! مجھے چھوت سے نہ بھرما
عیسائی نہ کوئی کرے تجھ کو — ننھے! مجھے پیار سے چمٹ جا

انگلش میڈ

مطلب ہے ہر ایک شے انگلش میڈ — ہیں آ رہی چیزیں پے بہ پے انگلش میڈ
انگریزی سنگار سے بنا کر مسز — بیوی کو ہیں دیکھتے کہ ہے انگلش میڈ؟

یادِ وطن

چٹکیاں لے دل میں خوب اے بادِ یاران وطن
گرم ہے اب تک بھی دل میں بزم جانانِ وطن
ہمصفیروں کی وہ تانیں آتی ہیں رہ رہ کے یاد
آہ! تھے ہم بھی کبھی مرغ گلستانِ وطن
ریت کے ٹیلو! ہو تم سے اجنبی کو لاکھ عار
ہو مری آنکھوں میں تم ایک ایک ایوانِ وطن
ہو تمہیں میرے ہمالے - الپس ہو میرے تمہیں
وادیٔ کشمیر سے بڑھکر ہے دامانِ وطن!
تم میں بھی اٹھتی ہیں لہریں کیا ہے گر ہیں ریگ کی
بحر ہے میرے لئے پُر موج میدان وطن
عشق تمہارے ہم کبھی مجنوں ہمیں فرہاد تھے
یاد ہے کیا کچھ تمہیں اے کوہ و میدانِ وطن
دوستوں کا واں تقاضا یاں ٹھہر سکنا محال۔
آہ! اب تو بن گئے ہم صاف مہمانِ وطن

ٹ خیرپور ٹامے والی واقع ریاست بھاول پور شاعر کا مقام پیدائش ہے۔ اس کی یاد میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

ٹ۲ یہ مقام ریگستان میں واقع ہے اور تین طرف ٹیلوں سے گھرا ہوا ہے

مسخ صورت اپنی صادق ہو گئی پردیس میں
کیا یقین؟ اب ہو نہ ہو یہ شکلِ شایانِ وطن

*

ہے وطن بھارت ہمارا ہند سے ہے ہم کو پیار
ہیں چھڑاتے گھر سے یہ کس کو محبانِ وطن
خیرپور کی خاک کا ہر ذرّہ ہے بھارت مجھے
پوجتا ہوں میں اُسے جوں قبلۂ عشّاقِ وطن
رُوبرو واں کی سحر کے تھا ہنسا پہلی ہنسی
ہنستی آنکھوں میں ہے اب تک صبحِ خندانِ وطن
کاش! خاکِ خیرپور میں ہو مری پیوستِ خاک
میری شامِ عمر ہو شامِ غریبانِ وطن۔

*

حریت کی پاک سیرت کے علم بردار کی — عجز کی طاقت کی شان طینتِ خوددار کی

بھگوے کپڑے میں ہوئی تقدیر تیری رہنما

پیشوا ملت کو رہبر ملک کو کامل ملا

شور رولٹ بل کا تھا بیتاب تھے پیر و جواں — ہو رہا تھا ہر طرف سے فتنہ و شر کا گماں

گر نہ سنیاسی کے ہوتے ضبط میں اہلِ توان — خون کی دہلی کے بازاروں میں بہتیں ندیاں

تھی بھڑکی شورش کی اگنی غیر ہو جاتا تھا حال

پر تھا سنیاسی کا سینہ آگے سنگینوں کے ڈھال

بسمل امرتسر میں پھر سے جان تازہ آ گئی — کانگریس کے آسمان پر یاس تھی منڈلا رہی

اہلِ دل تھے جیل میں تھی شہروں میں بے کلی — مارشل لا کی ابھی قائم وطن پر دھاک تھی

پھونک نے کس کی مٹا دی مارشل لا کا طلسم

اُڑ گیا ایسا نہ تھا گویا کبھی دیکھا طلسم

جامع دہلی کے ممبر پر ترا چڑھنا تھا کیا — ہندو و مسلم کی یکجہتی تھی عملاً رونما

ہو گئی ایکے کی گو گھر میں خدا کے ابتدا — خلق کا تاہم اچھوتوں سے وہی جھگڑا رہا

نقص بنیادی سے آنکھیں پھیر کر سب شاد تھے

تیری نکتہ رس طبیعت نے وہیں بھانپا اُسے

اور ان ہاتھوں کو دے پرماتما پاکیزگی — کاٹ دے جڑ ہی تری سعیِ مبارک چھوت کی

خاک کو اکسیر کر دے یک بیک درسِ خودی — جس کے حق میں کیمیا ہو نار خودداری تری

بارِ رحمت سے نہالِ قومیت پھر تازہ ہو

منضبط پھر ائتلافِ ہند کا شیرازہ ہو

رشی کا شکریہ

ایکہ خوشحالی ترے اک قول کی تفسیر ہے پیروی تیری فلاح قوم کی تدبیر ہے
ہند موجودہ تصور کی ترے تصویر ہے جاگ اٹھا بھارت یہ تیرے خواب کی تعبیر ہے

چشم بینا دیکھتی ہے آج وہ نقشے عیاں
تھے پڑھا کرتے کتابوں میں تری جنکا بیاں

آج اچھوتوں کو لگانے پر گلے ہیں سب تیار آج تجھ سے نہیں آتی برہمن پن کو عار
بیٹھنے کو ایک صف ہے ایک بھوجن کی قطار آج اہل قوم میں پھر بھائی بھائی سا ہے پیار

آج روٹی پہ نہیں کٹتے ہیں بھی اچھی ابنائی کی
ہے محبت آج پھر ہم معنئے پاکیزگی۔

دیویوں کو آج شودر کہہ نہیں سکتا کوئی جلوہ گر اپنے غلو میں پھر ہے شان مادری
بیگماں گاندھی نے کی آمیں ہم آہنگی تری صنف نازک صنعت پاکیزہ ہے صناع کی

ملک کی تحریکوں میں پھر دیویوں کا ہاتھ ہے
دور ہے جاہلوں کی۔ جاننے والوں کا ہاتھ ہے

گھر رہے گھر والوں میں قوم کے تیرا اصول ہے عدالت میں قضئے گھر کے لیجانا فضول
کیا بدیسی راج میں دیسی کرے ہو حق کا حصول ڈالتے ہیں وکیل انصاف کی آنکھوں میں دھول

---

۱ مخاطب، وطن کے سرتاج رشی، دیانند بانئے آریہ سماج

وید کی تفسیر میں تو نے گنائے چور آٹھ
ایک ہے اُن میں وکالت عدل کا بیہودہ ٹھاٹھ

قوم ہے تعلیم میں اپنی سنبھلتی جا رہی ہے گھٹا غفلت کی اپنے سر سے ٹلتی جا رہی
ہے دلوں میں قومیت کی شمع جلتی جا رہی مکتبوں کی خوب ہے حالت بدلتی جا رہی

کل تھے سرکاری دفاتر کے سکول ایجنسیاں
قومیت کے مندروں میں اب ہیں جاتے درس خواں

اپنی بولی بھیس بانا آج اپنانے لگے پہن کر کاتے ہوئے کی دھوتی خوب اترانے لگے
مدعا دل کا زباں پہ بے جھجک لانے لگے منہ بنانے بڈھوں کو ٹوڑ ہو پہ باز آنے لگے

تھا بدیسی بھیس پردیسی حکومت کا جہیز
گر پڑا جب بیج پردیسی زباں کا کھل گیا

راج کی بنیاد کیا ہے؟ خود رعایا کا لگان ہے سہارے پر اسی کے مسندِ شاہی کی شان
خوش دلی سے خلق کی ہے سلطنت کی آن بان ہاں یہی تیر حکومت کو اڑاتی ہے کمان

راز یہ تو نے بتایا وید کی تفسیر میں
بادشہ خود سر اگر ہو لوگ ٹیکے روک لیں

جانتے ہیں ہم یہ ہیں ساری دھوکے کی کوششیں ہو نہیں پاتیں ہمارے ہاتھ سے پوری کوششیں
ہیں خلاف ان کے ابھی کرتے جی حضوری کو جو شخص تیری بتلائی ہیں اور سب ہیں ضروری کوششیں

ہے یہی دھارس لڑکھڑاتی ناؤ کو بادِ مراد
گرتے پڑتے بیڑوں کو ہے تیرا آشیرواد

سے ٹیکس۔

ओ३म
جوار بھاٹا
یا
قومی اُتار چڑھاؤ
چمپت رائے صادق ایم اے

فہرست مضامین

دیباچہ

حالی نے "مدّوجزرِ اسلام" لکھ کر مسلمانوں کو اُبھارا ہے۔ ہم نے اِس مسدّس کے تتبع میں جو ارببھاٹا لکھا ہے۔ وہ بسیط نظم ہے۔ یہ مختصر ہے۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ یہ آریوں (ہندوؤں) کی۔ مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی نہیں۔ اور جو ہے موجود ہے۔ آریوں کی ابتدا ابتدائے دُنیا ہے۔ اور اُن کے کسی زمانے کے مفصّل حالات نہیں ملتے۔ نہایت قدیم زمانے کو چھوڑ کر رامائن سے آغاز کیا ہے اور کچھ ٹوٹے پھوٹے حالات مختلف زمانوں کے جمع کئے ہیں ؛

آریہ لوگ اپنے زوال کی ابتدا جنگ مہابھارت کو قرار دیتے ہیں۔ اِس وقت سے اب تک یہ اتنے گرے ہیں۔ اِتنے پسے ہیں۔ اِتنے ذلیل ہوئے ہیں۔ کہ آج اس قوم کو ایک تعریف سے پہچاننا مشکل ہے تاہم اِس گئے گذرے زمانے کی تاریخ بھی زرّیں اوراق سے خالی نہیں۔ ہمارا زوال اوروں کے عروج کو شرمندہ کرتا ہے ؛

زمانے کی چکّی میں ہم نے سر دیئے ہیں۔ مگر بے جان دانوں کی طرح نہیں۔ مذہبی و ملکی مظالم سہتے ہوئے عزتِ قومی کو سنبھالے رکھا ہے ایسی خوددار روحیں ہم میں تھیں جو ذلت سے پہلے اجل سے ہم آغوش ہوگئیں ؛

سولھویں صدی دُنیا بھر کے لئے مذہبی مظالم کی صدی تھی یورپ
میں لیٹیمر اور رڈلے انہیں ایام میں آگ کے شعلوں میں راکھ ہوئے۔
جہانگیر اورنگ زیب کے زمانے میں مغربی ہند میں حکمران تھے۔ اُن کے
مذہبی شکنجے اورنگ زیب کے مذہبی مظالم کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتے
ہیں۔ اورنگ زیب کے جانشینوں نے جہانگیروں کی پیروی کی۔ مگر وہ نہ
کامیاب بادشاہ تھے۔ نہ کامیاب ظالم ؛

سنجیدہ مورخ ایسے واقعات کو دو قوموں کی مذہبی خصومت کے
خیال سے نہیں پڑھتا۔ وہ دُنیا کی لہر کو دیکھتا ہے۔ اور اُس میں ملک ملک
کے آبشنی جہاز ایک ہی سمت میں بہتے پاتا ہے۔ کوئی دھیما کوئی تیز۔
کوئی آگے۔ کوئی پیچھے۔ ہندوستان کو فخر ہے۔ کہ وہ اس وحشیانہ دوڑ
میں مہذب یورپ سے بہت پیچھے تھا ؛

مظالم کی شکایت کیسی ؟ وہ اُس موسم کا تحفہ ہیں۔ آفرین اُن
بےخطر آتماؤں کو ہے۔ جنہوں نے ظلم سہہ کر قومیت کی حفاظت کی۔
مذہب پر قربان ہوئے جانیں دے دیں۔ مگر ایمان سلامت رکھا۔ یہ
شہید ہندو مسلمان دونوں کے بزرگ ہیں۔ مذہب نے خون نہیں بدلا
دونوں کے لئے باعث فخر ہے۔ کہ اُن کے مورث فنا فی القوم تھے۔ فنا
فی الایمان تھے۔ ذاتی اغراض مذہبی اغراض پر قربان کرتے تھے۔
کس مذہب کی اغراض پر۔ اس سے غرض نہیں۔ شہادت
شجاعت ہے کوئی کرے ؛

مسلمان اُس وقت دُنیا سے زیادہ سختی کرتے تو واجب
اتہام تھے۔ دُنیا کا ہی رجحان اس طرف تھا۔ تو چاہے کوئی حکمران

ہوتا۔ سختی کرتا ❖ شواجی کا مرہٹہ راج اس میں مستثنا ہے ❖
ہندوستان کی موجودہ حالت متقاضی ہے۔ کہ دونو ایک دوسرے کے بزرگوں کو ساجھا بزرگ جانیں آریہ دھرمی خوش ہوں۔ کہ جس قوم کے ساتھ اُن کی بود و باش ہے۔ اور مشترکہ ترقی و تنزل ہے۔ وہ ایک جری قوم ہے۔ مسلمان خوش ہوں۔ کہ جس ملت کے وہ ہمسائے مان جاتے ہیں۔ ہمسائے ہی کیوں؟ حقیقی مان جاتے ہیں۔ وہ باغیرت ملت ہے ❖

ہم نے پرانی آریہ عظمت کے نظارے رقم کئے ہیں ان پر دونو بلیوں اُچھلو۔ آج کی گراوٹ کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس پر دونو آٹھ آٹھ آنسو روؤ۔ حمیت کی رگ پھڑکے۔ رشتوں کے خون میں جوش آئے۔ اور آج کی شرمندگی کل کی ترقی کا پیش خیمہ ہو ❖

آریوں کی چار ذاتیں قوم انسان کی چار جماعتیں ہیں۔ ۱ پروہت ۲ لڑاکا۔ صلح جو۔ ۳ پیشہ ور چاہے وہ تاجر ہو۔ کسان ہو۔ یا اہل صنعت و حرفت۔ ۴ اور خدمت گار ❖

دُنیا کی پیدائش سے یہ تقسیم چلی آتی ہے۔ اور ابدالآباد تک چلی جائے گی۔ آریوں نے یہ تقسیم پیدائشی کر دی۔ سو قومی پانی کی حرکت بند ہو گئی۔ اور موجودہ تعفن پیدا ہو گیا۔ قدیم تقسیم قابلیت کے لحاظ سے تھی۔ اور اس کے کارنامے چاروں ذاتوں کی تاریخ کے زریں اوراق ہیں۔ ہمارا روئے سخن پیدائشی ذاتوں سے نہیں۔ کام کرنے والی ذاتوں سے ہے ❖

حالی کا بیان نہیں۔ مگر ولولہ وہی ہے۔ مختلف اوقات میں لکھے جانے سے مختلف حصوں کا رنگ مختلف ہے۔ برہمنوں کا حصہ سنہ ۱۹۱۲ء کی لہر ہے۔ باقی تموج سنہ ۱۹۱۸ء کا ہے۔ سخن سنجوں کے لئے تنقیدی مقابلے کا موقعہ ہے ٭

چمپت رائے صادق

جوار بھاٹا

پہلی ٹھاٹھ

تمہیں ایشور نے بنایا برہمن　　دیا رتبہ ممتاز اور خدمت احسن
کرو مشعل علم دنیا میں روشن　　ہنر کا خلائق پہ دو کھول روزن
جہاں نور سے جگمگا اٹھے سارا
زمانے میں ہو نام روشن تمہارا

ہوئی کیا وہ عظمت پرانی تمہاری　　ہوئی کیا وہ جادو بیانی تمہاری
ہے مشہور گھر گھر کہانی تمہاری　　نہیں گرچہ باقی نشانی تمہاری
ہمیں یاد ہے تم غزنہ جہاں تھے
فضیلت کے سرچشمہ دانش کی کان تھے

زمیں جن کے زیر نگیں تھی سراسر　　تمہاری لگی مہر تھی ان کے سر پر
سدا چتر شاہی تھا جن پہ بچھا دو　　فدا تجھ سے کرتے ہے جیتے سر

۱؎ خلق: دنیا - لوگ

۲؎ اچھی -

۳؎ مہر کے نیچے - احکام ماننے والی - حکمرانی میں -

بہت مولوی اور پادری نکتہ داں ہیں
حقوق اپنے اُن کو میسّر کہاں ہیں

نہ قانون کا زور تم پر تھا چلتا نہ شمشیر چلتی نہ خنجر تھا چلتا
نہ یاں زورِ دستِ ستمگر تھا چلتا نہ اژدر تھا چلتا نہ اجگر تھا چلتا

جو تھے خوفِ حق اپنے دل میں بٹھاتے
تھے آنکھوں میں اہلِ جہاں کی سماتے

تھی انگشتری سلطنت تم نگیں تھے جو تھی سروری تم نازنیں تھے
شہنشاہ بانو کے مرجع تمہیں تھے تمہیں سے بھرے گھر کے گویا مکیں تھے

جو تھے دبش کی روح چھتری کی تھے جان
تمہاری تھیں تشدید اسباب قوام انساں

جوانی سے بڑھ کر تھی پیری تمہاری عصا تھی تو تھی دستگیری تمہاری
امیری تھی گویا فقیری تمہاری دل افروز روشن ضمیری تمہاری

قناعت تمہارا تھا پاکیزہ جوہر
جسے تاجدار رکھتے تھے زیبِ افسر

۱؎ برہمنوں کا راجہ پر اثر ہوتا ہے۔ معمولی قانون سے اوپر ہوتے ہیں۔
۲؎ ظالم کے ہاتھ کا زور۔ ۳؎ سانپ کی ایک مہیب قسم ہے۔
۴؎ سانپ کی ایک مہیب قسم ہے ۵؎ پرماتما کا ڈر۔
۶؎ انگوٹھی۔ ۷؎ نگینہ ۸؎ بادشاہت ۹؎ چھپرکٹ
۱۰؎ مہارانی۔ ۱۱؎ رجوع کرنے کی جگہ۔ ۱۲؎ رہنے والے۔ ۱۳؎ لاٹھی
۱۴؎ مضبوط۔ ۱۵؎ مدد۔ سہارا۔ ۱۶؎ دل کو روشن کرنے والا
۱۷؎ روشن دلی۔ ۱۸؎ تاج کی زینت۔

تمہیں علم کی جستجو تھی ہمیشہ — تمہیں صدق کی آرزو تھی ہمیشہ
نرا سچ تھا جو گفتگو تھی ہمیشہ — صداقت کی فطرت سے خو تھی ہمیشہ

نہ تھا حرص کا تم پہ پھندا نہیں تھا
برہمن بناوٹ کا بندہ نہیں تھا

کھلے جا بجا تھے تمہارے گوروکل — پڑھانے میں کرتے نہ تھے تم تامل
تمہارے تھے شاگرد واں کے جز و کل سے — نہ تھی منع قمری نہ ممنوع بلبل

نہیں چھوت رحمت سے مانع نہیں تھی
نہ تھی کوٹھڑی تنگ پاکیزگی کی

جہاں چشمۂ علم سنتے پہنچتے — جہاں جہل پاتے ہٹا کر ہی ہٹتے
کہیں وید پڑھتے کہیں شاستر رٹتے — جہاں کی جہالت کا تختہ الٹتے

نہ کرتے تھے حد بندی راہِ خدا کی
لگاتے نہ تھے پاک ویدوں پہ چابی

سدا وید پڑھتے تھے اور تھے پڑھاتے — سدا دان دیتے تھے اور تھے دلاتے
سدا یگیہ کرتے تھے اور تھے کراتے — نہ تھے پاٹھ کی اپنے قیمت لگاتے

وہ پہلی سی تم میں فضیلت کہاں ہے؟
وہ تھوڑے پہ افزونیِ قناعت کہاں ہے؟

تمہیں سے تھا یونان نے علم پایا — جو واں نور چمکا تمہارا تھا سایہ
تمہارے بگڑنے نے اُن کو ستایا — تمہارا تھا جو ٹھاٹھ چوروں نے کھایا

عراق و عجم مصر و چین روم و جاپاں
تمہارے رہے تھے شرمندۂ لطف و احساں

---

۱ سچ ۲ سینہ ۳ زیادہ ۴ صبر ۵ احسان مند

تمہارا کرم[1] تھا۔ کہ ودوان[2] بنتے | تم استادِ اقوامِ انسان بنتے
ہمہ دان بن کر نہ نادان بنتے | نہ یوں دشمنِ جانِ ایمان[3] بنتے

گدائی تمہارا ہوا پیشہ ہے! ہے!!
بنا پر رکھا دھرم کی تیشہ ہے! ہے!!

ہم اپنا تمہیں رہنما جانتے ہیں۔ | تمہیں ناخدا[4] اپنا پہچانتے ہیں
مسیح[5] اپنی ملت کا گردانتے ہیں | تمہیں دھرم کا دیوتا مانتے ہیں

جو سمجھو تمہیں مہر[6] ہو روشنی کے
امیں[7] تم ہو سرمایۂ[8] زندگی کے

ہماری نظر میں تمہیں پانِنی[9] ہو | تمہیں ہو کنا د[10] اور تمہیں جیمنی[11] ہو
تمہیں ہو اُجالا تمہیں روشنی ہو | تمہیں دھوپ ہو اور تمہیں چاندنی ہو

تمہیں نے ہے بھارت کو پھر سے جگایا
دیانند کا تم نے ہے ورثہ پایا

ہیں آدی پرش[12] کے اگر مکھ برہمن | تو کیوں سچ سے ہے ان کی سطح ان بن
انہیں چاہئے جھوٹ کا ہو نہ دشمن | ہے آدی پرش تو صداقت کا مخزن[13]

---

۱ کام ۔ ۲ عالم ۔ ۳ دھرم کے جانی دشمن ۔ ۴ ملاح ۔ ۵ جلانے والا ۔ ۶ سورج ۔ ۷ امانت دار ۔ ۸ زندگی کی پونجی ۔ ۹ سنسکرت کی صرف و نحو (ویاکرن) اشٹادھیائی کے مصنف ۔ ایسے وسیع مضمون کو چند اوراق میں بند کر دیا ہے ۔ ۱۰ نیائے شاستر کے مصنف ۔ ۱۱ میمانسا شاستر کے مصنف یہ سب رشی ہیں ۔ ۱۲ پرماتما ۔ وید میں انسانی جماعت کا مکھ یعنی برہمن قرار دئیے ہیں ۔ بعض بھاشیہ کار (شارح) بقیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۸۵

تمہیں جھوٹ سے وضع سے کام کیوں ہو؟

تمہارے سبب دھرم بدنام کیوں ہو؟

اٹھو اپنی افتادہ حالت سنبھالو بھنور میں ہے کشتی نکالو! نکالو!!

سُتی قوم اپنی جگا لو! جگا لو!! بگڑتی ہے قسمت بنالو! بنالو!!

یہ سونے کا وقت اے عزیزو! نہیں ہے

اجل سر پہ ہے۔ دم لبوں کے قریں ہے

کسی نے ہے انجیل کو پاک مانا۔ کسی نے ہے قرآن الہامی جانا

تمہارا عقیدہ ہے سب سے پرانا معارف کا ہے وید ازلی خزانہ

سنبھالو جو ہے گھر میں محفوظ پونجی

نہیں تو ہوئی ملک اپنی دوسروں کی

جہاں میں ہے چھایا اندھیرا سراسر یہ وہ تیرگی ہے کہ عالم ہے مضطر

جہاں نے ڈھانپا ہے عالم کا منظر اٹھو وید کی شمع ہاتھوں میں لیکر

ہیں بجھتی کی قندیلیں جو جگمگاتی

نہیں روح تک روشنی انکی جاتی

ہوئی تشنگی سارے عالم پہ طاری مری جا رہی ہے وہ خلقت بیچاری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴ - پرماتما کے وراٹ روپ کا سر قرار دیتے ہیں۔ سر انہیں اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ عالم کے سارے حواس سر میں موجود ہیں۔ اس پر طرفہ یہ ہے۔ کہ خوراک لیتا تو سر کا ایک حصہ منہ ہے۔ مگر وہ اپنے پاس نہیں رکھتا دوسرے اعضا کو بھیج دیتا ہے اسی طرح برہمن بھی ایثار مجسم ہوتا ہے۔ ۱ خزانہ ۔ ۱ بناوٹ ۔ ۲ گری ہوئی ۔ ۳ موت ۴ نزدیک ۔ ۵ معرفت کی جمع علوم حقیقی، یہ ہم وید یا ست ودیا ۶ انادی ۔ ۷ اندھیرا ۸ بیقرار بے چین ۹ پیاس

یہ جو وید ہے شربت[۱] فضل باری — سبیل بس کرو اس کی عالم میں جاری

لگے گرچہ پانی[۳] کے نل جا بجا ہیں
مگر آتما[۲] تک یہ جل نارسا[۴] ہیں

کرو کوئی دم آج تم اٹھ کے ہمت — رکھی ایشور نے ہے ہمت میں برکت
نہیں دم میں بیڑا ڈبو دیگی غفلت — کھو گئے منی صادق کی سچی نصیحت

ثمر[۵] ہے زمانے میں محنت کا راحت[۶]
ہے سستی کا انجام افسوس و حسرت

---

۱ پرماتما کی مہربانی کا شربت — ۲ روح — ۳ پانی
۴ نہیں پہنچ سکتے ؛
۵ پھل — ۶ آرام ؛

جوار بھاٹا

دوسری ساکھا

کہاں ہے وہ اولاد بھیم اور کرن کی؟ وہ باقی نشانی بھرت شترگھن کی
وہ سنتان دشرتھ کی پیارے لکشمن کی جو کرتا بان سے آج پربت کی بن کی
شری رام کے وہ دلارے کہاں ہیں
یدھشٹر کی آنکھوں کے تارے کہاں ہیں

ع۱ پانڈو کا وہ بہادر لڑکا جس نے دریودھن کو جنگ مہابھارت کے خاتمہ پر اپنے ہاتھ سے مارا۔ اور اُنہی خون سے رنگے ہوئے ہاتھوں سے دروپدی کے بکھرے بال باندھے۔

ع۲ وہ دلاور سخی جس کے پاس شری کرشن برہمن کے بھیس میں سوالی ہوئے۔ اور وہ ٹوٹے ہوئے ہاتھوں سے پتھر پکڑ کر اپنے دانتوں میں لگے ہوئے سونے کے تار کو توڑنے کو تیار تھا۔ کہ سوالی خالی نہ جائے۔

ع۳ و ع۴۔ سری رام چندر کے بھائی۔

ع۵ شری لکشمن جی۔ ع۶ مشکلات۔ ع۷ پہاڑ۔

ع۸ پانڈو کا بڑا یدھشٹر جس نے اپنے اخلاق کے باعث دھرم پُتر نام پایا۔

وہ راجوں کے سرتاج ملکوں کے والی ممالک کے گلچیں۔ رعایا کے مالی
ملک آستاں پر تھے جن کے سوالی فلک رتبہ تھی جن کی درگاہِ عالی

کہاں اب وہ اُن کی بلند آستاں ہے
ٹھکانا زمیں اُن کا یا آسماں ہے؟

وہ سچی شجاعت کا دم بھرنے والے ہتھیلی پہ جاں بےخطر دھرنے والے
وہ ادبار سے پیشتر مرنے والے دل و جاں فدا عہد پر کرنیوالے

سمجھتے تھے اک کھیل جو زندگی کو
جو تھے جانتے مُردنی مُردنی کو

وہ تیروں کی سیجوں پہ سوجانیوالے وہ راز اپنے مرنے کا بتلانیوالے
عدو کو فنِ جنگ سکھلانے والے وہ مر کر بھی ملت کے کام آنے والے

تھے میدان میں جنگ کرتے پکتا
اکابت کوئی حرف اُن کا نہیں تھا

۱؎ دوسرے ملکوں سے محصول لانے والے۔ ۲؎ رعایا کے حق میں فرشتے۔ ۳؎ دہلیز۔ ۴؎ آسمان کے برابر رتبہ رکھنے والی۔ ۵؎ ادبیگی کے بدبختی۔ ۶؎ مرنے والا یعنی جسم۔ ۷؎ فانی مطلب یہ کہ وہ جسم کو فانی سمجھ کر اس کی موت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ۸؎ بھیشم پتامہ جب ارجن کے تیروں سے زخمی ہوئے تو کئی ماہ تیروں کی سیج پر پڑے رہے ۹؎ پانڈو جب لڑتے لڑتے تنگ آگئے۔ تو بھیشم پتامہ سے پوچھنے لگے کہ آپ کس طرح مر سکتے ہیں۔ فرمایا میں نامرد کے آگے ہتھیار نہیں اٹھاتا۔ چنانچہ شکھنڈی کو آگے رکھکر پیچھے سے بھیشم پر تیر چلایا گیا۔ ۱۰؎ دردان آچاریہ اور راجہ درپد میں دشمنی تھی۔ اس دشمنی کے نکالنے کے لئے (دیکھو صفحہ ۹۹)

وہ پُتلے وفا کے نمونے صفا کے ۔ نمائش کے بدخواہ۔ دُشمن وغا کے
تہ دل سے حامی طریقِ سخا کے ۔ مخالف دل وجاں سے قصدِ وغا کے
چکھاتے تھے سرکش کو شمشیر کا پھل
غریبوں کے سر پہ تھے رحمت کے بادل
شجاعت سے بڑھکر مروت تھی ان میں ۔ مروت سے بڑھکر شجاعت تھی ان میں
عداوت سے بڑھکر رفاقت تھی ان میں ۔ رفاقت سے بڑھکر عداوت تھی ان میں
عدو[1] سے جو میدان میں تھے لڑنے جاتے
وہی گھر میں دانش کے دریا بہاتے[2]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ ۔ دروپدی نے درشٹ دیومن لڑکا پیدا کیا ۔ درون آچاریہ کو اسباب کا علم تھا ۔ مگر جب وہ فنِ جنگ سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ۔ تو فوراً شاگردی میں لے لیا گیا ۔ اور نہایت ہوشیار جرنیل بنایا گیا ۔ چنانچہ پانڈووں اور کورووں کی لڑائی میں پانڈوں کی فوج درشٹ دیمن کے زیر کمان تھی ۔ ع ۱۳ متعلقہ صفحہ شری کرشن نے کوروکشیتر کے میدان میں ارجن کو گیتا کا اپدیش کیا تھا ۔

ع۱ لڑائی ۔ یعنی مجبوری کے عالم میں لڑائی لڑتے تھے ورنہ ان کا رجحان امن کی طرف تھا ۔

ع۲ شری کرشن جہاں میدان جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے تھے ۔ سلطنت کی مجلسوں میں آن کی صلاح نہایت مدبرانہ ہوتی تھی اور ان کی کہی ہوئی گیتا علم الٰہیات (برہم ودیا) کا خزانہ ہے یہی حالت دوسرے قدیم بزرگوں کی معلوم ہوتی ہے ۔

وہ نیل[1] اور نل[2] بے مثال انجینئر — وہ بھارت کے روشن خیال انجینئر
مکینکس[3] جواں۔ کہنہ سال انجینئر — وہ دریودھن[4] باکمال انجینئر
بنایا وہ پانی میں جادو[5] کا مسکن
نہ ڈھونڈھے سے پائے جسے چشمِ دشمن
نہاں[6] ہیں نظر سے درون[7] اشوتھاماں[8] — نہیں آج آنکھوں کے آگے سداماں[9]
گئے آگے آگے خراماں خراماں — کہاں اب وہ نقشے؟ کہاں اب وہ ساماں
کوئی اس کو جھوٹی کہانی ہے کہتا
کوئی اس کو گپ دل لبھانی ہے کہتا

ع۱ و ع۲ ریاست کشکندھا کے وہ انجینئر جنہوں نے شری رام چندر اور اُن کی فوج کے لئے رامیشورم کا پل تیار کیا جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ آج باوجود اتنی علمی ترقی کے وہ کام ہونا ناممکن ہے ۔

ع۳ مشینوں کے علم کے ماہر۔ ع۴ کوروؤں کا راجہ۔ ع۵ جنگ مہابھارت میں شکست پا کر دریودھن ایسا چھپا۔ کہ اس کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔ آخر ایک جھیل کے اندر پانی سے محفوظ مکان میں چھپا ہوا پایا گیا۔ یہ مکان کیونکر تیار ہوا تھا۔ یہ کہنا آسان نہیں شائد یہ ڈوبی ناؤ کی طرح بنا ہوا ہوگا ۔

ع۶ چھپے ہوئے اوجھل۔ ع۷ ارجن کے اُستاد۔ جنگ مہابھارت میں کوروؤں کی طرف سے لڑے تھے۔ ع۸ درون کا لڑکا ۔

ع۹ کرشن کا وہ برہمن دوست جو زمانہ طالب علمی میں کرشن کا ہم سبق تھا۔ بڑا ہو کر روٹی کو محتاج ہوا۔ تو کرشن کے پاس جو راجہ تھے گیا۔ اور پرانی محبت کا حوالہ دے کر موردِ عنایات ہوا ۔

گر جگر تو محفل میں آ۔ چند[1] بردی! پھتورا[2] کی باتیں سُنا۔ چندر بردی
کمال شجاعت دکھا۔ چندر بردی! لڑائی کا نقشہ جما۔ چندر بردی

وہ کھانڈا ہو۔ تلوار ہو وہ تبر ہو
تری تیغ ہو۔ فوج دشمن کا سر ہو

وہ میواڑ کا سُورما۔ کون ہے؟ سانگا[3] وہ ہمت کی تصویر۔ جرأت کا پُتلا
بدن ہوتا زخموں سے جب چھلنی اس کا لگاتا دم تیغ سے اس میں ٹانکا

وہ ابتک ہمیں لہجکے للکارتا ہے
قیامت ہے سونا۔ یہ غفلت فنا ہے

وہ چتوڑ[4] میں کیا دھواں اُٹھ رہا ہے نہ شیون نہ ماتم نہ آہ و بکا ہے
نہ یاں ماں کا رونا۔ نہ غم باپ کا ہے کسوٹی پہ عصمت کا سونا چڑھا ہے

---

[1] رائے پھتورا۔ یا پرتھوی راج چوہان کا مورخ۔ چندر راسا کا مصنف۔ پرتھوی راج کے اس نے بہت کارنامے لکھے ہیں۔

[2] پرتھوی راج چوہان۔ شہاب الدین غوری کے حملوں کو روکتا رہا آخر اپنے خانہ زاد بھائی جے چندر کی عداوت کے باعث گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ [3] رانا سانگا بابر کے ساتھ فتح پور سیکری کے میدان پر معرکے کی لڑائی لڑا۔ مگر ناکام رہا۔ اور ندامت کے مارے مرگیا۔ ان کے جسم پر اسّی زخم تھے۔ جس سے اس کی بہادری اور بے خوفی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ [4] جوہر کی رسم۔ راجپوتوں میں جب مرد ہارنے لگتے تھے۔ تو اُن کی عورتیں آگ جلا کر اس میں کود پڑتی تھیں۔ اور مرد اُن سے بے فکر ہو کر تلواریں سونتے نکل آتے تھے۔ اور لڑتے لڑتے مر جاتے تھے۔ جب تک ایک بھی زندہ رہتا۔ ہار نہیں مانتا تھا۔

ہؤا کیا؟ جو چتوڑ جیمل[1] نے ہارا
رہی آن گھر کی یہ میدان مارا

ہے گھاٹی میں پربت کی پرتاپ[2] جاتا　　اُدے[3] سنگھ کے گھر کی عزت بچاتا
وہ جنگل کے پتوں پہ ہے کھانا کھاتا　　بچھونا فقط پھوس کا ہے بچھاتا

نہ یاں عیش و عشرت نہ آرام و راحت
وہ خوش ہے اسی میں کہ باقی ہے غیرت

جو چتوڑ بیباک[4] بیروں کا گھر ہے　　تو پنجاب میدان تیغ و تبر ہے
گرجتا رہا یاں بھی وہ شیر نر[5] ہے　　قیامت کا جسکی زباں میں اثر ہے

ہے مبدا[6] یہی ہند کی زندگی کا
یہ مشہور مسکن[7] ہے مردانگی کا

ع١ اُدے پور کا جیمل - اکبر کے محاصرے کا مقابلہ کرتا رہا - اکبر نے موقع پاکر بندوق کا نشانہ بنالیا - راجپوت عورتوں نے اس موقعہ پر بھی جوہر کیا تھا - ع٢ رانا سانگا کا پوتا - اُدے سنگھ کا لڑکا - ساری عمر مغلوں کے ساتھ لڑتے گذاری - نہ مطیع ہوا نہ رشتہ منظور کیا - جن حالتوں میں رہا - وہ اس بند میں ظاہر کی گئی ہیں - اب تک اُدے پور کے رانا رسم کے طور پر سونے کی تھالی میں پتہ اور مخملی بچھونے میں پھوس کا تنکا رکھ لیتے ہیں ؛

ع٣ پرتاپ کا والد - رانا سانگا کا بیٹا +

ع٤ بے خوف +

ع٥ رنجیت سنگھ یا بالعموم سکھ + ع٦ جائے آغاز

ع٧ مقام ٹھکانا - پنجابیوں کی بہادری مشہور ہے +

یہ ہے جوہر جنس انساں کی نگری ہے رنجیت[1] شیر میناں کی نگری
ہے گوبند[2] سے مردِ میداں کی نگری حقیقت[3] سے شیدائے ایماں کی نگری
یہ اس منچلے بیر ہرئیے[4] کا ہے گھر
ہے رعب آج تک جس کا سرحدیوں پر
یہاں[5] بیٹے شاہوں نے قرباں کئے ہیں رفوخوں سے چاکِ گریباں کئے ہیں
مریدوں سے آباد زنداں کئے ہیں کٹائے ہیں سر نذرِ جاناں کئے ہیں
یہاں گرم لوہوں پہ لیٹے ہیں سلطاں
یہاں جلتی ریتوں پہ سوئے ہیں ذیشاں

ع۱ رنجیت سنگھ مشہور سکھ راجا۔ جس نے پنجاب میں سکھ سلطنت کی بُنیاد ڈالی۔ اور اس قدر طاقتور ہو گیا۔ کہ آس پاس کے راجہ ڈرتے تھے۔ سرحد کے علاقے فتح کئے۔ انگریزوں نے اس سے دوستی کا عقد غنیمت سمجھا۔ ع۲ گورو گوبند سنگھ دسویں بادشاہ خود لڑتے ہوئے مرے۔ اور صاحبزادوں کو بھی ملک اور قوم کے نام پر قربان کیا۔ ع۳ دھرم بیر حقیقت رائے۔ جس کی سمادھ لاہور میں ہے۔ چھوٹے سے لڑکے نے سر کٹانا قبول کیا مگر مسلمان نہ ہوا ع۴ ہری سنگھ نلوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جرنیل غضب کا بہادر تھا۔ سرحدی عورتیں "ہریا آیا" کہہ کر اب بھی ننھے بچوں کو ڈراتی ہیں۔ ع۵ اس بند میں سکھ گوروؤں کے حالات قلم بند ہیں۔ گورو ارجن دیو سے لے کر گورو گوبند سنگھ اور گورو بندا تک اکثر نے لڑکے تلواروں کی بھینٹ کئے۔ کئی جیل خانہ میں رہے اور طرح طرح کی اذیتوں سے قتل ہوئے۔

گروؔ[1] لئے یہ افسوں ہے گردن میں باندھا کٹا سر نہیں تیغ نے جاں کو کاٹا
ہے چیلوں نے زنداں[2] کو مندر بنایا وہیں کرتے درشن ہیں سچے گورو کا

وفا پر ہیں راضی جفا پر ہیں راضی
یہ سائیں کی سچی رضا پر ہیں راضی

وہ دیواریں سکتے میں حیراں کھڑی ہیں یہ ہیں شہزادے[3] کہ حور و پری ہیں؟
یہ من موہنی مورتیں خاک کی ہیں؟ یہ دیواریں کیوں ان میں چنی جا رہی ہیں؟

وہ موتی گرے ایک کی انکھڑیوں سے
کہ چھوٹا گیا آہ! جنت[4] میں پہلے

ان آنکھوں پہ مانا وہ ظاہر نہیں ہیں ہمیں شاہ رگ[5] سے بھی بڑھ کر قریں ہیں

---

[1] گورو تیغ بہادر۔ اورنگ زیب نے قید کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ یا تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ یا اسلام قبول کرو۔ گورو نے پہلی بات قبول کی۔ ایک دن گردن میں تعویذ باندھا۔ کہ اسے تیغ نہیں کاٹے گی۔ تلوار چلادی گئی۔ سر الگ ہو گیا۔ تو لکھا تھا۔ سر گیا۔ سِر نہیں گیا۔

[2] جیل خانہ ٭

[3] گورو گوبند سنگھ کے دو صاحبزادے۔ بعمر تقریباً دس سال دیواروں میں چن دیئے گئے۔ مگر مسلمان ہونے کو تیار نہ ہوئے۔ دیواریں اب تک سرہند میں موجود ہیں۔ چھوٹے لڑکے کو دیوار نے پہلے بند کر دیا۔ تو بڑے کی آنکھ میں آنسو آئے۔ پوچھا گیا۔ کیا پچھتاتے ہو؟ تو جواب دیا کہ افسوس یہ ہے کہ آیا دنیا میں پہلے مگر دھرم کے میدان میں بازی چھوٹے لڑکے کو لینے دی ٭

[4] بہشت ٭

[5] زندگی کی رگ۔ جس میں خون کا دورہ ہے ٭

ہمارے دل و جاں کے اندر مکیں ہیں ۔ زمانے کے فتنوں سے عزلت گزیں ہیں

جو ان تلخیوں میں حلاوت ہے باقی
تو ہے جانشینی ان کے نام نکو کی

وہ اسلاف تھے جن کی ہیں ہم نشانی ۔ ہماری حیات ان کی ہے زندگانی
ہمیں دیتے ہیں نام کو ان کے پانی ۔ ہماری ہے دنیا میں ہنسی ہنسائی

ہمیں ان بزرگوں کے ہیں نام لیوا
ملا ہے ہمیں سر بسر ورثہ ان کا

اگر کھول کر آنکھ وہ آج دیکھیں ۔ فلاکت کا ہم میں اٹل راج دیکھیں
ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج دیکھیں ۔ خصومت سے گھر اپنا تاراج دیکھیں

نہ پہچانیں ہم ان کے روح رواں ہیں
کپوت ایسے عالم میں ہونے کہاں ہیں

ہے دشرتھ کی اولاد آپس میں لڑتی ۔ ہے ہاتھ ایک کا دوسرے کی لنگوٹی
لکھن شترگھن میں پڑی پھوٹ کیسی ۔ بھرت کو نہیں رام کی شرم باقی

صد افسوس! اجڑا یہ دشرتھ کا گھر ہے
کہ خود باپ بدخواہ جان پسر ہے

---

۱ رہنے والے ۔ بسیرا کئے ۲ گوشہ نشیں ۔
۳ کڑواپن ۔ ۴ مٹھاس ۔ ۵ نیک نام ۶ بزرگ ۔
۷ مفلسی ۸ دشمنی ۔ ۹ دشرتھ کے خاندان کے
حالات رامائن میں درج ہیں ۔ وہ ایک مروت ۔ محبت ۔ پاس
لحاظ کی کہانی ہے ۔ اس بند میں آج کل کے کھتریوں کی حالت
کا خوب نقشہ کھینچا ہے ۔ ۱۰ لڑکا ۔

یدھشٹر پہ ہے بان ارجن چلاتا — نہیں بھیم سہدیو سے کچھ لجاتا
نکل پہ ہے سہدیو دوڑا ہی آتا — ابھی مار کر اس کو گویا ہے کھاتا
اہنسا کا پرچار اچھا کیا ہے۔
کہ بھائی کی بھائی کو بوٹی روا ہے

دروپد کے گھر بیاہ کرنا نہیں ہے — جنک کا ہے شمشان ہو مرنا نہیں ہے
پرائی چتا پر پسرنا نہیں ہے — قدم باہر آنگن کے دھرنا نہیں ہے
ہمارا اسی میں ہے اونچا گھرانا۔
کہ بیٹی کی قیمت میں لاکھوں کا چکانا

یہی بھوج کا لیں گے اونچے سنگھاسن — یہی بکرمی نام و کرم کا رکشن
یہی ہیں فضیلت کے دانش کے مخزن — یہ کیشین گن ہیں کہ جھگڑوں کے انجن؟

ما پانڈوؤں کی محبت کی تاریخ قسم کھاتی ہے۔ مگر آج ان کی اولاد کی وہ حالت ہے۔ جس کی ہلکی سی تصویر ان شعروں میں ہے
۲ بے آزاری۔ ایذا نہ پہنچانا۔ ۳ اشاعت۔
۴ دروپدی کے باپ۔ ۵ سیتا ماتا کے پتا۔۔ اس بند میں کھتریوں کے آپس میں غیریت کے سلوک کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ایک دوسرے کو اونچا سمجھ کر روٹی بیٹی تک کے ناطہ سے پرہیز ہے۔
۶ راجہ بھوج۔ جو مالوہ کے راجہ تھے۔ ان کے راج میں علم کی لہر بہر تھی۔ ۷ تخت۔
۸ بکرماجیت جن کے انصاف۔ سادگی اور اولوالعزمی کے قصے زبان زد خلائق ہیں۔

ہے ایسے دُنیا میں ہیں بحر کاہل
نہ آرام کی کوں نہ محنت کے قابل
ہوئی خوابِ غفلت سے بیدار دُنیا ہے اب سربسر چُست و ہشیار دُنیا
ہے مشرق میں کب کی خبردار دُنیا ہے مغرب میں سرگرم پیکار دُنیا
نہیں سنتے ہو کیا وہ نقارے بجتے
وہ توپوں کے گولوں کے بادل گرجتے
یہ کیا کہہ رہے ہو عدو[۱] چرخ دوں ہے جہاں شرق سے غرب تک[۲] رہنموں ہے
گرداب غفلت میں غفلت زبوں ہے اُٹھو تم کہ تم ہیں شواجی کا خوں ہے
شواجی کی اولاد ہو مرہٹو! تم
جو ہو مرہٹے آج مر کر مٹو - تم

[۱] ستمندر جس میں طوفان کبھی نہیں آتا - یہاں مراد ہے نہایت سست - [۲] لڑائی - [۳] گنبد آسمان - [۴] راستہ دکھانے والا - [۵] مرہٹہ سلطنت کا بانی - بہادر - منصف مزاج - رعایا پرور - اس کے راج میں عورت کی عزت - کسان کی زراعت - مذہبی مقامات چاہے کسی عقیدے کے ہوں انکو برابر حفاظت ہوتی تھی - آئین سلطنت وہ تھا - جس کی نقل آج کے بادشاہ کرتے ہیں ◆

جوار بھاٹا

تیسری کتھا

تجارت ہے بنیاد فتح و ظفر کی — تجارت ہے کیا؟ سلطنت بحر و بر کی
تجارت ہے شہراہ سیر و سفر کی — تجارت ترقی ہے علم و ہنر کی

زمانے میں اکسیر ہے تجارت
ترقی کی تدبیر کیا ہے؟ تجارت

تجارت سے حاصل ہے قدرت دلوں پر — [illegible] تجارت سے ہوں گنگا [illegible]
تجارت سے ہو گنج دولت میسر — تجارت سے ہاتھ آئیں الماس و گوہر

تجارت نہیں ہے تو دولت نہیں ہے
جو دولت نہیں ہے تو عظمت نہیں ہے

شہنشاہ محتاج ہیں تاجروں کے — بھکاری مہاراج ہیں تاجروں کے
زمیں پر اٹل راج ہیں تاجروں کے — سمندر بھی زیر تاج ہیں تاجروں کے

۔ فتح ہے تری اور خشکی، سمندر اور زمین ۔ ہے دولت مند
طاقت ور ۔ ہے دولت کا خزانہ ۔

سمندر جہاں لہروں کا تھا اُن کے مسکن[1]

ہوا تھی بگولوں[2] کا ان کے نشیمن

ادھر ان کی پھیلی تھی ہر سو تجارت　　ادھر اپنے ہاتھوں سے کرتے زراعت

کہ گویا اک جہاں تھا مصروفِ صنعت　　تھا واں دوسرا دہر اہلِ حرفت

کبھی وہ بھی غافل نہ تھا کسبِ زر سے

خسارت نہ تھی اس کو ہرگز ہنر سے

تیری پر زمیندار و دستکار خدا ہے　　زمانہ اسی کا دیا کھا رہا ہے

جہاں میں یہی رزق کا دیوتا ہے　　ہے کھیتی اسی کا جو ہر سو کھلا ہے

ہے جو کھوتا سانس کے ساتھ ہستی

ہے کرتا وہی پرورش آدمی کی

تو ہم کھیتی باڑی کیوں چھوڑتے ہیں　　صناعت سے کیوں اس قدر ہم خفا ہیں

شکایت ہے کس کی ہمیں دوستو　　نہیں بھائی کیا ہے دغا کی عبث ہے

نہ ترکھان اپنے نہ معمار اپنے

نہ درزی نہ دھوبی نہ لوہار اپنے

جو اپنی زمیں اپنی صنعت سے بوتے　　وطن کی نہ تعظیم و تکریم کھوتے

نہ محتاج غیروں کی محنت کے ہوتے　　نہ یوں ہی ملت کا بیڑا ڈبوتے

سمجھتے صناعت کو جانِ تجارت

زراعت کو روحِ روانِ تجارت

---

۱ ٹھہرنے کی جگہ - ۲ غبارے - بگولوں - ۳ مقام

شغلی گروہ - ۴ کھیتی باڑی - ۵ پیشہ ور لوگ -

۶ دھن کمانا - ۷ کمائی ۔

ओ३म

خاکِ شہیداں

یعنی

پنجاب کی لاج لالہ لاجپت رائے کی خدمت میں

اُن کی امریکہ سے واپسی کے موقع پر

پیشکش

از

چمپت رائے صاحب ایم۔ اے

کی حقیقت اور پیغام کی پہچان کرانے کے لئے چھوٹا سا نظموں کا مجموعہ خاک کے ساتھ ارسال ہے خیر مقدم جو آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے اسی خاک کا خیر مقدم ہے۔ جو ہندوستان کے دل و جگر سے خون کی زبان میں گویا ہو کر بولتی ہے۔

آپ کا صادق
چمپت رائے

لالہ جی نے مہربانی سے شکریہ ادا کیا۔ شاعر کا مقصد پورا ہو گیا۔ جن کانوں کے لئے شیون تھا۔ شکوہ تھا۔ انھوں نے اپنا آویزہ بنایا۔ عوام کو یہ تنہائی کا رونا سننے کی ضرورت ؟

حقیقت شناس کہتے ہیں اور اصرار سے کہتے ہیں کہ ملک کے لیڈر کا دل اہلِ ملک کے دلوں کا آئینہ ہوتا ہے۔ لیڈر سے کوئی اور ملک سے لیڈر کوئی بات چھپا نہیں سکتے۔ شہیدوں کی خاک کا پیغام لاجپت رائے کے فرد ہی ساکنوں تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ ملکی کانوں تک پہنچ اور پہ دستہ اس پیشواؤں سے گونجنے چاہئیں۔ صادق! اصرار کرنے والے زیادہ دانا ہیں۔ ان کی رائے کو اپنی رائے پر فوقیت دے۔ اور آشنا نا آشنا دونوں سے محفل ملاقات کو گرما!

گوروکل ملتان
۲۱ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء

فہرست مضامین

میں کیا ہوں؟

مجھ سے ہمدم! نہ پوچھ میں کیا ہوں؟ — ہوں، وہی شوقِ بے تقاضا ہوں

دل میں رہ رہ گیا ہوں اکثر اٹھ کر — لب پہ آیا نہیں۔ وہ نالہ ہوں۔

عقل و حکمت سے کیا لگاؤ مجھے — ولولہ ہوں۔ جنون ہوں۔ سودا ہوں

مٹھی بھر خاک ہوں شہیدوں کی — اک نئی قوم کا سراپا ہوں

دعوئ حق۔ صدائے انا الحق کی — جرم ہوں قتل کی تمنا ہوں۔

مثلِ صادق نہ ”الحق“ کہو

مثلِ منصور صاف ”انا الحق“ کہو

حواشی:

۱۔ میں حق ہوں۔ منصور کو اسی دعوے کی وجہ سے سولی پر کھینچ دیا گیا۔ جلیانوالے کے شہیدوں کا جرم بھی ”حق“ ہی کا دعوے ہے۔

۲۔ صادق کی طرح ناحق ”الحق“ یعنی ”حق ہے“ مت کہہ، منصور کی طرح صاف ”انا الحق“ کہہ۔ حق کی دہائی دینے سے حق کی تصویر بننا بہتر ہے۔

پنجاب کی لاج

لالہ لاجپت رائے جی کا خیر مقدم

لاج پنجاب کی! آ کہیں آ کبھی — موہنی صورت اپنی دکھلا کبھی

رہ تری دیکھتے ہیں ہم کب کے — گئیں آنکھیں ہماری پتھرا کبھی

مانڈلے بن گیا مگر نیویارک — دور امریکہ کبھی تھا یہ ما کبھی

شب تاریک جا چھپا پاتال — ایک پنجاب کا ستارا کبھی

ہم نے سمجھا تھا تو ہمارا ہے — آپ یہ جانا تھا تو بدیس کا بھی

تھا ہمارا تو زور الفت کا — تھا کوئی اور زور ڈالا کبھی

زورِ الفت کا کھینچ کر لایا۔
صبر سے زور ضعف نے پایا

تجھ کو پہنچا ہی ہو گا گھر کا حال — ہم کو جینا ہے ہو گیا جنجال

۱۹۰۷ء میں لالہ جی کو مانڈلے جلاوطن کیا گیا تھا۔ اب نیویارک میں مقیم ہیں۔ اب آزاد ہیں یہی۔ مگر ہندوستان میں آنے کی بندش ہونے سے ان کی گرفتاری اور آزادی میں کیا فرق ہے۔ مانڈلے برما کا اور نیویارک امریکہ (صوبجات متحدہ) کا دارالخلافہ ہے۔

ستارا امریکہ۔ پاؤں کے نیچے کا طبقہ۔ ستارا آسمان میں رہنا چاہئے تھا۔ [illegible] پاتال میں کیوں چھپے۔

ملک کا کونہ کونہ ہلتا ہے — کانگڑے سے ہے یہ بڑا بھونچال
ہم بنے ہیں اچھوت دنیا میں — کوئی جا دیکھ کیپ یا ناٹال
قحط ہیں مارواڑ کا بھولے — سارے ہندی ہیں ہو رہے بدحال
زلزلے نے تجھے بلایا ہے — زلزلہ قوم کے دلوں میں ڈال
ہاتھ ہے بھیٹ پر کروڑوں کا — لانا نیو بارک سے چنوں کی دال
کوئی ہم سے بشر نہیں چھوتا — گر کرے شدھ ہند کو پاتال

لینا بپتسمہ تھا کسے واں کا؟
مارجن خوں سے ہوا یاں کا

مدا کانگڑے کے بھونچال کے وقت لالہ جی نے مصیبت زدگان کی بہت امداد کی تھی۔ بھونچال کے بہانے اب اُن سے واپس آنے کی التجا کی ہے۔ کہ شائد اس مصیبت پر اُن کا دل پسیجے۔ اور بھارت کو لوٹیں۔

مدا اچھوتوں کے اُدھار کے بھی لالہ جی عملاً حامی رہے ہیں۔

مدا کیپ کالونی جہاں ہندوستانیوں کو undesirable یعنی قابل نفرت سمجھا جاتا ہے۔ اور حقارت کا سلوک ہوتا ہے۔

مدا قحط بھی لالہ جی کی ہمدردانہ کوششوں کا خاص موقع ہوا کرتے ہیں۔
اس بند میں لالہ جی سے بھونچال۔ قحط اور اچھوت پنے کے نام پر جلدی آنے کے لئے اپیل کی ہے۔

مدا پاک بنانے۔ اچھوتوں کو اپنے میں ملانے کے لئے شدھ کرتے ہیں۔

مدا عیسائی شدھی کی رسم کو بپتسمہ کہتے ہیں۔ اس میں پانی کے چھینٹے دیئے جاتے ہیں۔ جن سے تو عیسائی پاک ہو جاتا ہے۔

مدا سند ھیا میں ایک مقام پر پانی کے چھینٹے دیئے جاتے ہیں۔ (دیکھو صـ ۱۱۲)

منزل خوں ہے عشق کی منزل — خوں ہے، خوں، سرخئ کتابِ دل
خوں سے کرتے ہیں یاں وضو پہلے — پھر ہیں سجدے میں جاتے جھک بسمل
کس ستمگر نے تاک کر مارا۔ — ہوا خانہ کماں کا خانۂ دل۔
لگ گئے ڈھیر جلیانوالے میں — روک تھی راہِ تیغ میں حائل
نہ رہا غمزہ آنکھ میں باقی۔ — چشمِ قاتل تھی رحم کی سائل
سخت جانی تو دیکھ عاشق کی — کوئی کہتا ہے دل جلا گھائل
"رحم سے ہو نہ میری موت حرام — پھیر دے پھیر دے چھری قاتل!!"

کہدے کہدے!! کھلیگی عیاری
"پٹی مرہم ہے نقص دلداری"

سخت جانی کا امتحان ہوا — مجھ پہ سفاک مہربان ہوا
"بزدلی پہ مری پڑا کوڑا۔ — ناز بازوں سے کیا زیان ہوا"
کس کو وصیت دہائی قاتل کی — وہی سفاک منصف آن ہوا

بقیہ صفحہ ۱۰۷ سے۔ مارجن کہتے ہیں۔ شاید بپتسمہ کی رسم مارجن کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ شاعر امریکہ کے بپتسمہ کو غیر ضروری اور نامناسب قرار دے کے جلیانوالہ باغ کی خونریزی کو آریوں کی مارجن کی رسم کی ادائیگی کہتا ہے اور کہتا ہے۔ اس عمل سے ہندوستان پاکیزہ ہوگیا +

۱ے گولیاں ختم ہو گئیں۔ تو گرانباری جاری رہتی + (ناشر)

۲ے خوشی رسم جس سے خوشی خوشی کیجے بعد دیگرے گولیوں کے نشانے اٹھائے اطمینان سے جان بحق تسلیم ہوئے

۳ے سوال ہے کیا آپ نے زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام کیا؟ جواب ڈائر "ہسپتال کھلے تھے وہاں زخمی پہنچ سکتے تھے۔" یہی مرہم میرا کام نہ تھا

۴ے تازیانے کی سزا کی طرف اشارہ ہے جو مارشل لاء کے دنوں میں دی گئی تھی +

عورت ہے مقدس

ڈائر نے کہا سچ تھا۔ کہ عورت[۱] ہے مقدس
عورت کی سبھی صورت و سیرت ہے مقدس
دیوی کا کیا کرتے ہیں گھر بیٹھے وہ درشن
حاصل جنہیں ماتا کی زیارت ہے مقدس

شرڈو پہ کیا حملہ۔ یہ ناپاک تھی حرکت
ہے کون ؟ جو کہتا ہے یہ حرکت ہے مقدس
شیطان ہیں عورات پہ جو ہاتھ بڑھائیں
شیطانوں کو شیطانی کی عادت ہے مقدس

انساں نہیں پر وہ بھی جو انساں کو گرائیں
اس ضمن میں انجیل کی آئت ہے مقدس
خلقت[۲] کیا خالق نے اسے شکل میں اپنی

۱؎ اس سوال کے جواب میں کہ ہندوستانیوں کو رینگ کر چلنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ ڈائر نے کہا۔ کہ ہم عورت کو مقدس مانتے ہیں جہاں مس شرووڈ پر حملہ ہوا تھا۔ اس مقام کو مقدس بنانے کی غرض سے رینگ کر چلنے کا حکم دیا گیا۔ ۲؎۔ انجیل پیدائش باب ۲

سچ جانتا۔ اِنسان کی صورت ہے مقدس

ایسے نہ گرے خُلدؑ سے تھے آدم و حوّا
دی خوب ہدایت۔ یہ ہدایت ہے مقدس
شیطانوں نے انسانوں کو شیطان بنایا
رینگا کریں جوں مار۔ یہ ہیئت ہے مقدس

تقدیس میں تخصیص مالک کی بھلا کیا؟
یورپ کی ہو یا ہند کی عصمت ہے مقدس
مغرب میں کوئی پدمنی پا جائے تو جانیں
مشرق میں وہ! شعلوں کی شہادت ہے مقدس

سیتا کی بہو بیٹیاں شہ زوڑ سے بخیں کیا بکم
بھارت کی زمیں جن کی بدولت ہے مقدس
تذلیل یہ عورات کی کر لیتے ہیں۔ صادق
کیا ڈھیٹ ہیں! پھر کہتے ہیں عورت ہے مقدس

۱۔ بہشت۔ ۲۔ سانپ کی طرح۔ اس بند کا مضمون عیسائی عقیدے کے مطابق ہے۔ ۳۔ وہ پاکیزہ راجپوت رانی جس کے نام سے عصمت کی شان اب تک روشن ہے۔ اپنی عصمت پر آنچ نہ آنے دینے کے لئے جوہر کر کے اپنی سہیلیوں سمیت آگ کے شعلوں میں کود پڑی تھی +

آہنی زنجیر تھی گردن میں جو سو سال سے
کھل گئی قسمت تو دیکھا تھی کڑی زنگار کی
تھا کمالِ قوم کا آغاز پستی کا کمال
ابتدا اقبال کی تھی انتہا ادبار کی

(۳)

کیوں عبث مٹی میں ملنے کا گلہ کوئی کرے
دانہ بن کر شاخِ ہستی کو ہرا کوئی کرے
تیر کی صورت نکل جاؤ گے تو گردوں کے پار
جھک کماں گردن کو گر تیری دوتا کوئی کرے
پھر وہی اوجِ ثریا پھر وہی بامِ فلک!
پست مجھ کو آہ تا تحت الثریٰ کوئی کرے

ع۱ پرانی غلامی گھس پس کر آزادی ہو گئی۔ صدیوں کی زنجیر زنگ نہ ہوتی۔ تو کیا ہوتی؟ ع۲ پستی کمال کو پہنچی۔ تو کمال بن گئی کمال چاہے پستی کا ہو۔ آخر کمال تھا۔ کمال ہو کر رہا ع۳ بد قسمتی

ع۴ خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر۔ تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر
(اقبال)

ع۵ ثریا سات اونچے ستاروں کا مجمع ہے۔ اس کی اونچائی اوجِ ثریا کہلاتی ہے۔ ع۶ آسمان کی چھت پاؤں کے نیچے۔ نیچے ستام۔ زمین گول ہے۔ نیچے بھی وہی آسمان ہے۔ جو اوپر ہے +

ضمیمہ ہدیۂ ہند

ایک منظر

مہاتما گاندھی کمرۂ عدالت میں

آشنائے خامشی کلکِ فغاں ساماں ہے — ایک منظر ہے کہ حیرت اُس پہ خود حیران ہے

ایک پلڑے میں ترازو کے ہے عدلِ مغربی — دوسرے میں مجرمِ حُبِّ وطن کی شان ہے

ہے عدالت اُٹھ کھڑی خود مجرم کی تعظیم کو — دیوتا ہے بھیس میں ملزم کے یا انسان ہے

کیوں عبث بخشش میں پڑتے ہو لگا دو فردِ جرم — معذرت کیا اس گنہ پر مغفرت قربان ہے

مختصر فردِ جرائم ہے ہوا اقبالِ جرم — جرم کہتے ہو جسے میرے وطن کی آن ہے

اپنا ایماں ہے بغاوت برخلافِ شیطنت — چول پیرا کیا اس نے گاندھیِ ہند ایمان ہے

ہے زبانِ حال سے کہتی عدالت کی فضا — آج پھر کوئی فرشتہ جیل کا مہمان ہے

خندہ زن زنداں سے ہے اذکارِ معصومیت

ہنس رہی عیسیٰ کی ہے پھر دارِ معصومیت

قومی سکولوں کیلئے قومی کتابیں

پنجاب کے سررشتہ تعلیم (نیشنل ایجوکیشنل بورڈ) نے قومی سکولوں کے لئے اپنی طیار کردہ ہندی کتابیں چھاپنے کا ادھیکار ہمیں دیا ہے۔ بورڈ کا تیار کردہ **بالتصویر بال بودھ** ہندی ... میں چھپ کر تیار ہے۔ پہلی کتاب زیر طبع ہے۔ اُردو کا قومی قاعدہ۔ پہلی۔ دوسری تیسری چھپ کر تیار ہے۔ ان کے علاوہ ہمارے پستکالیہ سے ہر قسم کی اردو ہندی قومی کتابیں مل سکتی ہیں

چند زبردست قومی کتابیں

(جن کی ماہران تعلیم نے قومی سکولوں کے لئے سفارش کی ہے)

دیش درشن۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ طلباء کو ہندوستان کی جسمانی۔ مجلسی۔ تعلیمی۔ تمدنی صنعتی اور تجارتی حالت سے باخبر کر دیا جائے۔ اور انہیں ذہن نشین کرا دیا جائے۔ کہ بمقابلہ ممالک غیر ہندوستان کی کیا حالت ہے۔ اور کن ہتھکنڈوں اور چال بازیوں سے سونے کی لنکا (ہندوستان) کو تباہ کیا گیا۔ تو قومی سکولوں میں دیش درشن بطور ایک کورس (تعلیمی کتاب) کے پڑھائیں۔ یہ وہ زبردست کتاب ہے۔ جس کے مطالعہ کی سفارش لوک مانیہ تلک اور مہاتما گاندھی نے ہر ایک ہندوستانی کے لئے کی ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

سوراجیہ کی جنگ ممالک غیر میں } یہ بھی قومی سکولوں کے لئے ایک تعلیمی کتاب ہے۔ جس میں تاریخی واقعات کی بنا پر بتلایا گیا ہے کہ آسٹریا ہنگری۔ مصر اور آئرلینڈ وغیرہ ممالک نے غلامی کی زنجیروں کو کس طرح توڑ کر آزادی حاصل کی اور سوراجیہ کے جنگ میں ان کو کن کن مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا اور کیا کیا وسائل اختیار کئے۔ **قیمت صرف آٹھ آنے**

قومی کہانیاں } یہ کہانیاں خاص طور پر پروفیسر رام سروپ کوشل ودیا بھوشن